الہ دین کا چراغ
اور
ہم
اشتیاق احمد

بچوں کے لیے ایک مزاحیہ ناول

الہ دین کا چراغ اور ہم

اشتیاق احمد

ناشرین

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز

لاہور ——— حیدر آباد ——— کراچی

طابع : شیخ نیاز احمد
مطبع : علمی پرنٹنگ پریس ۷، اسپتال روڈ لاہور
قیمت : چار روپے پچاس پیسے

مقام اشاعت
شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
ادبی مارکیٹ، چوک انار کلی، لاہور

گذارش

لیجیے صاحبان! اس مرتبہ ہمیں الہ دین کا چراغ مل گیا ہے — اس دور میں اگر کسی کو الہ دین کا چراغ مل جائے تو — ذرا سوچیے کیا نہیں ہو گا — آپ نہ جانے کیا کیا سوچ بیٹھیں — مہربانی فرما کر سوچنے سے پہلے ناول پڑھ کر دیکھ لیں کہ الہ دین کا چراغ ملنے کے بعد ہم پر کیا گزری — ہمیں کن کن حالات کا سامنا کرنا پڑا — کیسے کیسے طوفانوں کا سامنا کرنا پڑا — پڑھیے — ہنسیے اور قہقہے لگائیے اور آخر میں ہمارے حق میں دُعا کیجیے! آئندہ ناول "بے آواز دھماکے" پیش کیا جائے گا۔

اشتیاق احمد
۷۔ الیاس سٹریٹ کرشن نگر لاہور

- چراغ مل گیا
- تین ہزار سال پرانا جن
- جن کو نزلہ ہو گیا
- جن کی بھول
- گھر کے سینما
- آدھی بوتل تیل
- جن کی شادی
- کوہ قاف کی سیر
- سب گرفتار
- آسمان سے گرا جہاز میں اٹکا

چراغ مل گیا

اور پھر یوں ہوا کہ ہمیں الہ دین کا جادوئی چراغ مل گیا۔

ہم اتفاق سے اس دوکان میں گھس گئے تھے — دراصل صبح سے کرائے کا مکان تلاش کرتے کرتے تھکن سے چُور چُور ہو گئے تھے، ایسے میں ہمیں وہ دکان نظر آ گئی — ہم نے سوچا، کیوں نہ کچھ دیر اس دکان میں وقت ضائع کیا جائے — اندر ہمیں لوہے کے بنچ نظر آئے تھے جو تھکن کے عالم میں نرم گداز گدیلوں والے بستر سے بھی زیادہ فرحت بخش محسوس ہوئے اور ہم بغیر سوچے سمجھے اندر گھستے چلے گئے۔

اندر گھسنے کے بعد ہمیں یاد آیا کہ کسی دکان میں گھسنے کا مطلب ہوتا ہے، کوئی چیز خریدنا — یا پھر کم از کم چیزوں کے بھاؤ معلوم کرنا — اچھی بھلی چیزوں کو دیکھ کر ناک بھوں چڑھاتے ہوئے باہر نکل آنا وغیرہ — چنانچہ ہمیں بھی یہی کچھ کرنا پڑا — دکان کباڑیے کی تھی — ہر طرف لوہے کی نئی اور پرانی چیزیں بے ترتیبی سے پڑی تھیں — ہم نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، بے مقصد لوہے کی چیزوں کو الٹنا پلٹنا شروع کر دیا

جیسے کسی خاص چیز کی تلاش ہو۔۔۔ دکان میں اس وقت تین چار
اور آدمی بھی یہی کچھ کر رہے تھے اور دکاندار ہم سب سے
بے نیاز کاؤنٹر پر بیٹھا تھا جیسے کہہ رہا ہو "تم میں سے کچھ لینے
والا کوئی بھی نہیں ہے۔"

دکان کے ایک کونے میں لوہے کے بنچ پر بیٹھ کر بے دلی
سے چیزیں الٹ رہے تھے کہ وہ چراغ ہمیں نظر آ گیا۔ اس کی
شکل و صورت بالکل ان چراغوں سے ملتی جلتی تھی، جو آج تک
ہم نے الہ دین اور جادوئی چراغ کی فلموں میں چراغ کی دیکھی
تھی۔ بالکل اسی طرح لمبوترا سا تھا۔۔۔

"ارے! یہ تو الہ دین کا چراغ معلوم ہوتا ہے۔" میرے منہ
سے نکلا۔۔۔

"دماغ تو نہیں چل گیا تمہارا۔" بھائی جان نے مجھے گھورا۔

"دیکھیں تو سہی۔" منے نے کہا اور آگے بڑھ کر چراغ اٹھا
لیا اور ہمارے پاس واپس آ گیا۔۔۔ وہ چراغ کو الٹ پلٹ کر
دیکھ رہا تھا کہ مجھے اس پر کچھ لکھا ہوا نظر آیا۔۔۔ میں نے چراغ
منے کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔ اور تحریر پڑھنے کی کوشش کی۔
لیکن نہ جانے وہ کس زبان کے الفاظ تھے، پڑھے نہیں جا سکے۔

"حیرت ہے۔۔۔ اس پر کچھ لکھا ہوا بھی ہے۔۔۔ بھلا کسی چراغ
پر کچھ لکھنے کی کیا ضرورت!" میری حیرت میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ

ہی ہو رہا تھا۔

"تم الو ہو۔۔۔ ارے بے وقوف یہ اس کمپنی کا نام ہو گا جس
نے اسے بنایا۔" بھائی جان نے پھر ڈانٹ پلائی۔

"تو اردو یا انگریزی میں ہونا چاہیے تھا۔۔۔ زیادہ سے زیادہ
عربی یا فارسی میں ہوتا۔۔۔ لیکن یہ الفاظ ان چاروں زبانوں
میں سے کسی کے بھی نہیں ہیں۔۔۔"

"تو سنسکرت یا چینی زبان کے ہوں گے۔۔۔"

"اگر یہ سنسکرت کے الفاظ ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ
یہ ہندوستان میں بنا تھا۔۔۔ اور اگر چینی زبان کے ہیں تو چین
میں بنا ہو گا۔"

"ہاں۔۔۔ ہو سکتا ہے۔"

"تو کیا۔۔۔ بھائی جان۔۔۔ یہ عجیب بات نہیں، آخر چین یا
ہندوستان کا ایک معمولی چراغ یہاں کیسے پہنچ گیا۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو۔" پہلی مرتبہ بھائی جان کی آنکھوں میں
سوچ کی جھلک دکھائی دی۔

"میرا خیال ہے یہ چینی زبان کے الفاظ ہیں اور آپ تو جانتے
ہی ہوں گے کہ الہ دین چینی لڑکا تھا۔۔۔ یہ ضرور۔۔۔!"

"الہ دین کا چراغ ہے۔۔۔ یہی کہنا چاہتے ہو نا تم!" بھائی
جان نے میری بات کاٹ دی۔

"جی ہاں — میرا دل پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔"

"تو اسے پکار پکار کر کہنے دو — اسے وہیں پھینک دو اور چلو گھر چلیں — ابو، امی، ثریا ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"ہم اس چراغ کو خرید کیوں نہ لیں بھائی جان۔" منا بول اٹھا۔

"کیا کریں گے اس کا۔"

"بجلی چلے جانے کی صورت میں تو کام آ ہی سکے گا۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"گھر میں لیمپ جو موجود ہے۔"

"وہ بھبکتا ہے۔"

"بس — تمہارے سر پر تو ہو گیا بھوت سوار —" بھائی جان جھنجھلا گئے۔

چراغ اٹھائے ہم کاؤنٹر پر آئے — دکاندار نے ہمیں اتنا پرانا چراغ اٹھائے دیکھا، تو ایسی نظروں سے دیکھا جیسے ہم تینوں پاگل ہوں۔

"یہ کتنے کا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"دس آنے کا۔" دکان دار نے بے نیازی سے کہا۔

میں نے جلدی سے جیب سے پیسے نکالے، دس آنے گنے اور دکان دار کے حوالے کرتے ہوئے تقریباً دوڑتا ہوا دکان سے باہر نکل آیا جیسے مجھے ڈر ہو کہ دکان دار کو چراغ کی حقیقت کا پتا

چل جائے گا اور وہ اسے واپس جھپٹ لے گا۔

"بھئی آخر اس طرح دوڑنے کی کیا ضرورت ہے۔" بھائی جان نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"جلدی آیئے بھائی جان — کہیں دکان دار چراغ واپس نہ لے لے۔"

"پاگل ہوئے ہو — ہم اسے خرید چکے ہیں — اب دکان دار اسے کیسے لے سکتا ہے۔"

سورج غروب ہونے کے قریب تھا جب ہم گھر میں داخل ہوئے، گھر کیا تھا، ایک کمرے کا مکان تھا جس میں چھ آدمی گزارا کرتے تھے — اس شہر میں ابو کی تبدیلی ابھی تھوڑے دنوں پہلے ہی ہوئی تھی۔ بڑی مشکل سے یہ کرائے کا مکان ملا تھا، اس دن سے ہم ہر روز کسی ڈھنگ کے کرائے کے مکان کی تلاش میں تھے — صبح سویرے ہی ڈھونڈنے نکل جاتے اور شام کو واپس آتے۔ اسی پریشانی میں ابھی ہم نے سکول میں داخلہ بھی نہیں لیا تھا۔

"بہت دیر لگا دی تم نے۔" ابو بولے۔

"ہم تو سمجھے تھے کہ تم لوگ راستہ بھول گئے۔" امی نے کہا۔

"اور میں تو منادی کرانے کے بارے میں بھی سوچ رہی تھی۔" باجی ثریا بولیں

"امید ہے آج بھی تمہیں کوئی مکان نہیں ملا ہو گا۔"

"ہاں! کوئی مکان نہیں ملا۔" بھائی جان نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

"البتہ ——" میں کہتے کہتے رُک گیا۔

"البتہ کیا۔" باجی نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ اب ہمیں مکان کی فکر نہیں کرنی پڑے گی۔" میں بولا۔

"کیا مطلب۔" ابّو اور امّی ایک ساتھ بولے۔

"تو کیا کوئی مکان مل گیا ہے۔"

میں نے الہ دین کے چراغ والا ہاتھ ان کے سامنے کر دیا۔ اس سے پہلے یہ ہاتھ پشت پر تھا۔ ان سب نے اسے حیران ہو کر دیکھا۔

"کیا ہے یہ۔" باجی کے منہ سے نکلا۔

"یہ تو کوئی چراغ معلوم ہوتا ہے —— پرانے وقتوں کا۔"

"جی ہاں —— باجی ہم نے وہ فلم دیکھی تھی نا —— الہ دین اور جادوئی چراغ ——" میں نے کہا۔

"ہاں ہاں —— تو پھر؟"

"وہ چراغ آپ کو یاد ہے۔"

"ارے ہاں —— یہ چراغ تو بالکل اسی شکل کا ہے۔"

"نہیں باجی —— یہ بالکل الہ دین کا چراغ ہے۔"

"کیا بکتے ہو۔" باجی بولیں۔

"یہ دیکھیے —— اس پر چینی زبان میں کچھ لکھا ہے۔" میں نے انہیں وہ ناقابلِ فہم تحریر دکھائی۔

"تو اس سے کیا ہوتا ہے۔"

"الہ دین چینی لڑکا تھا۔"

"تمہارا دماغ چل گیا ہے۔"

"اچھا تو ہوشیار ہو جائیں —— میں اسے رگڑنے چلا ہوں۔" مجھے بھی غصّہ آگیا۔

"ہزار دفعہ بھی رگڑو گے تو کچھ نہیں ہو گا۔" باجی نے کہا۔

میں نے طیش کی حالت میں آؤ دیکھا نہ تاؤ، چراغ کو اپنے انگوٹھے سے خوب زور سے رگڑ دیا۔ دوسرے ہی لمحے سب نے ایک زوردار قہقہہ لگایا —— کیونکہ چراغ کے جن کا کہیں نام و نشان بھی ظاہر نہیں ہوا تھا۔

"دراصل اس پر میل بہت جم گیا ہے۔" میں نے جھینپتے ہوئے انداز میں کہا۔

"بھائی جان —— ریتی لاؤں۔" منّا بول اٹھا۔

"ریتی —— بہت خوب —— ہاں منّے فوراً لاؤ۔"

"کیوں پاگل ہوئے ہو —— یہ بیسویں صدی ہے —— اور یہ الہ دین ولہ دین تو سب فرضی کہانیاں ہیں۔" ابّو بولے لیکن منّا پہلے ہی اندر کمرے میں جا گھسا تھا —— ہم سب اس وقت

صحن میں بیٹھے تھے۔

"لیکن ابا جان — اس دنیا میں جادو کا وجود تو ہے۔"

"ہاں — اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا — حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی جادوگروں سے مقابلہ کیا تھا — جادوگروں نے پتلی پتلی رسیاں پھینکیں تو وہ سانپ بن گئیں — اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر پھینک دیا — وہ ایک اژدھا بن گیا اور ان سب سانپوں کو نگل گیا، اسی طرح رسولِ مقبولؐ کے زمانے میں بھی جادوگر تھے — لیکن آج کل —"

ان کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے — منّا ریتی لیے ہوئے باہر نکلا تھا۔

"یہ لیجیے بھائی جان — اس سے رگڑیے۔"

میں نے لینے کو تو ریتی منّے کے ہاتھ سے لے لی لیکن مایوس ہو چکا تھا کیونکہ منّے کے آنے سے پہلے بھی میں چراغ کو انگوٹھے سے دو تین مرتبہ خوب زور زور سے رگڑ چکا تھا۔

"خوب زور سے رگڑیے گا۔" منّے نے جوش کے عالم میں کہا۔

میں نے بے دلی سے ریتی چراغ پر چلائی — عین اسی وقت زلزلے کے جھٹکے محسوس ہوئے:

"ارے! شاید زلزلہ آ رہا ہے۔" ابّو بولے۔

"الٰہی خیر۔" امّی کے منہ سے نکلا۔

"یہ زلزلہ نہیں — الہ دین کا جنّ آ رہا ہے —" میرے منہ سے نکلا۔

"چپ رہو — خدا سے ڈرو — زلزلہ اس کے غضب کی نشانی ہے — اس سے معافی —"

اچانک شعلوں کا ایک فوارہ صحن میں ابھرا اور اونچا ہوتا چلا گیا — امّی کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے — منہ کھلا کا کھلا رہ گیا اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی — دوسروں کی بھی یہی حالت تھی — ایک سیکنڈ بعد ہی شعلوں کا فوارہ غائب ہو گیا اور — اور ہم سب نے دیکھا — صحن میں دو ستون کھڑے تھے۔ ہم سب نے نگاہیں اوپر اٹھائیں اور دھک سے رہ گئے — ستون آسمان تک چلے گئے تھے۔

تین ہزار سال پرانا جن

اتنے بلند ستونوں کو دیکھ کر ہم سب پر لرزہ طاری ہوگیا۔ باجی اور منّا تو تھر تھر کانپ رہے تھے ــــ سب کے رنگ اڑے ہوئے تھے۔

"کہیں ہم کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہے ہیں۔" ابّو بولے۔

"ہاں ــــ یہ ضرور کوئی خواب ہے۔"

"آخر یہ ستون کہاں سے آ گئے ــــ میں نے تو الہ دین کے چراغ کو رگڑا تھا، پھر جن کیوں حاضر نہیں ہوا ــــ"

"اس کا مطلب صاف ہے ــــ یہ الہ دین کا چراغ نہیں ہے۔" منّا بولا۔

"تو پھر کس کا ہے۔" میں نے تیزی سے کہا۔

"یہ ستونوں کا چراغ ہے۔" منّا بول اٹھا۔

خوف و دہشت کے عالم میں بھی ہمیں ہنسی آ گئی۔ عین اسی وقت ایک خوف ناک، موٹی اور بھدّی آواز بادلوں میں سے آتی محسوس ہوئی۔

"کیا حکم ہے میرے آقا؟" آواز ٹھیک ستونوں کے اوپر سے

آئی تھی۔

"کون ہو تم ــــ اور آقا کسے کہہ رہے ہو۔" میں نے ہمّت کر کے پوچھا۔

"جس کے قبضے میں یہ چراغ ہے، میں اس کا غلام ہوں۔ اور میں اس چراغ کا جن ہوں۔"

"لیکن تم کہاں ہو ــــ ہمیں تو یہاں کوئی جن نظر نہیں آ رہا ہے۔"

"میں اس وقت آپ کے صحن میں کھڑا ہوں ــــ کیا آپ میری ٹانگیں نہیں دیکھ رہے ہیں۔" آواز آئی۔

"ارے! تو کیا یہ تمہاری ٹانگیں ہیں ــــ ہم تو انہیں ستون سمجھ رہے تھے۔"

"جی ہاں ــــ یہ میری ٹانگیں ہیں۔"

"لیکن تمہارا دھڑ اور منہ کہاں ہے ــــ"

"میرا دھڑ بادلوں میں چھپا ہے اور منہ اس سے اوپر ہے۔"

"کیا تم اپنا قد گھٹا نہیں سکتے۔" میں نے پوچھا۔

"گھٹا سکتا ہوں ــــ اگر چراغ کا مالک مجھے حکم دے۔"

"تو میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ جتنا قد بھی تم کم کر سکتے ہو کر ڈالو ــــ"

"جی بہت بہتر میرے آقا ــــ"

ایک زناٹے دار آواز آئی جیسے کوئی پوری قوت سے کوڑا مارتا ہو — دوسرے ہی لمحے جنّ کا دھڑ اور منہ ہمیں نظر آ گیا۔ یہ اب بھی تین منزلہ مکان جتنا لمبا تھا۔ بہرحال اب ہم منہ اونچا کرکے اس کا چہرہ دیکھ سکتے تھے — چہرہ دیکھتے ہی ایک بار پھر سب کے منہ سے چیخیں نکل گئیں — کیونکہ وہ بہت خوف ناک تھا، لیکن مجھے کوئی خوف محسوس نہیں ہوا، شاید یہ چراغ کی برکت تھی۔

"سب سے پہلے تو تم یہ بتاؤ کہ جب میں نے پہلی مرتبہ چراغ کو رگڑا تھا، تو تم کیوں حاضر نہیں ہوئے؟"

"تین ہزار سال سے میں گہری نیند سو رہا تھا — آج تین ہزار سال بعد کسی نے اس چراغ کو رگڑا تھا، جس سے میرے جسم کو حرکت ضرور ہوئی مگر میری آنکھ نہ کھل سکی — آپ نے پھر رگڑا تو میں نے ایک جھرجھری لی اور پھر سو گیا — تیسری مرتبہ رگڑا تو مجھے معلوم ہوا کہ کوئی چراغ کو رگڑ رہا ہے — چوتھی مرتبہ تو مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے میرے جسم میں نیزہ بھونک دیا ہو — آپ نے چوتھی مرتبہ کس چیز سے چراغ رگڑا تھا۔؟"

"ریتی سے۔" میں نے اسے بتایا۔

"خدا کے لیے — حضرت سلیمانؑ کے لیے — آئندہ آپ

چراغ کو ریتی سے نہ رگڑیے گا — مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے۔"

"کیا کیا جائے — انگوٹھے سے رگڑیں تو تم آتے نہیں۔" میں نے بے نیازی سے کہا۔

"اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو میں تین ہزار سال سے سو رہا تھا، دوسرے چراغ پر کچھ میل جم گیا ہے، اب جب کہ میں جاگ گیا ہوں، فوراً حاضر ہو جایا کروں گا۔ ویسے آپ اس چراغ کا میل ضرور اتار لیں لیکن اس سلسلے میں بھی احتیاط کیجیے گا — زور زور سے نہ رگڑیں۔"

"اچھا — میں اس کا میل صاف کر دوں گا۔"

دوسرے لوگ خاموشی سے ہماری بات چیت سن رہے تھے اسی وقت منّے نے پوچھا۔

"جنّ بھیّا — تم کہاں سوئے ہوئے تھے؟" جنّ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

"تم نے میرے چھوٹے بھائی کی بات کا جواب نہیں دیا۔" میں نے کہا۔

"کیا پوچھا ہے اس نے؟"

"کیا تم نے نہیں سنا؟"

"نہیں — میں صرف اس کی آواز سن سکتا ہوں، جس کے قبضے میں یہ چراغ ہو۔"

"تم کہاں سوئے ہوئے تھے؟"

"کوہ قاف میں۔"

"کیا وہاں اب بھی جن اور دیو رہتے ہیں؟"

"ہاں۔"

"تو کیا وہاں تمہارے گھر بھی ہوتے ہیں؟"

"ہاں! کوہ قاف میں میرا بھی ایک مکان ہے۔"

"کیا تم وہی جن ہو — جو الہ دین کا غلام تھا؟" منے نے پوچھا — میں نے اس کا سوال جن کو سنایا۔

"الہ دین کا نہیں — اس چراغ کا — یہ چراغ جس کے قبضے میں ہوتا ہے میں اس کا غلام ہوتا ہوں۔"

"پھر بھی — تمہیں الہ دین تو یاد ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں —"

"وہ کیسے مرا؟"

"ایک دن بہت زبردست زلزلہ آیا — سارا شہر درہم برہم ہوگیا — الہ دین چراغ کی طرف دوڑا، تاکہ اسے رگڑ کر مجھے مدد کے لیے بلائے لیکن اس سے پہلے کہ وہ چراغ تک پہنچتا محل دھڑا سے گر پڑا — اور وہ سارا شہر ہی زمین میں دفن ہوگیا — اس وقت میں نے سوچا تھا کہ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آزاد ہوگیا ہوں کیونکہ چراغ بھی الہ دین کے محل کے ساتھ ہی

زمین میں دھنس گیا تھا لیکن خدا جانے تین ہزار سال بعد یہ چراغ آپ کے ہاتھ کیسے لگ گیا۔"

"کیا تم نہیں جانتے؟"

"نہیں میں تو اسی وقت سو گیا تھا — جب الہ دین زندہ دفن ہوا تھا —"

"ہمیں تو یہ ایک کباڑیے کی دکان سے ملا تھا — خدا جانے وہاں تک کیسے پہنچا۔"

"اچھا اب یہ بتائیے کہ میرے لیے کیا حکم ہے؟" جن نے پوچھا۔

"کیوں — کیا کھڑے کھڑے تھک گئے ہو؟"

"جی نہیں — اگر آپ حکم دیں تو میں مہینوں اسی طرح کھڑا رہوں۔"

"اچھا ٹھہرو — میں سب سے پوچھ کر بتاتا ہوں؟" میں نے کہا اور سب گھر والوں کی طرف مڑا۔

"جن کو کس کام کے لیے کہا جائے؟"

"میرا خیال ہے اس وقت تو اسے چھٹی دو — صبح سوچیں گے۔" ابو نے کہا۔

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔" بھائی جان بولے۔

"اچھا — تو پھر میں اسے جانے کے لیے کہہ دوں؟"

"ہاں۔"

"اچھا تو مسٹر جن ــــ اب تم جا سکتے ہو۔"

"تو پھر مجھے بلایا کیوں تھا ــــ" جن نے بُرا مان کر کہا۔

"بھئی بُرا نہ مانو ــــ دراصل ہم یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ یہ الہ دین کا چراغ ہے یا نہیں۔"

"اچھا خیر ــــ لیجیے میں چلا۔"

اتنا کہنے کی دیر تھی، جن ہماری آنکھوں کے سامنے سے غائب ہو گیا۔

"ہم ضرور کوئی خواب دیکھ رہے ہیں۔" ابو بولے۔

"یہ خواب نہیں ہو سکتا ــــ"

"اگر یہ خواب ہے تو پتا لگ ہی جائے گا۔ کیوں نہ اب سویا جائے۔"

"کیوں نہ سونے سے پہلے یہ سوچ لیا جائے کہ صبح جن سے کیا کام لیا جائے۔"

"جب تک یہ یقین نہیں آ جاتا کہ یہ سب ایک خواب نہیں ہے کیا سوچا جا سکتا ہے۔"

"تو کیا ایک بار پھر رگڑوں چراغ کو۔" میں نے کہا۔

"نہیں نہیں بھائی جان ــــ جن بُرا مان جائے گا ــــ" منّے نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔" میں بولا۔

"تو ٹھیک ہے ــــ پہلے کھانا کھایا جائے اور پھر سویا جائے صبح معلوم ہو جائے گا کہ یہ خواب ہے یا نہیں ــــ"

"لیکن سونے سے پہلے میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔" میں نے سب سے کہا۔

"اور وہ کیا؟" بھائی جان نے پوچھا۔

"اگر کوئی شخص یہ آواز لگاتا گلی میں سے گزرے کہ پرانے چراغوں کے بدلے نئے چراغ لے لو ــــ تو ہرگز اس چراغ کو تبدیل نہیں کروایا جائے گا۔"

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

صبح سب لوگ دیر تک سوتے رہے ــــ سب سے پہلے میری آنکھ کھلی ــــ آنکھ کھلتے ہی چراغ کا خیال آیا۔ میں نے جھٹ اپنے تکیے کے نیچے دیکھا ــــ چراغ غائب تھا۔ فوراً ہی میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا ــــ تو کیا یہ سب خواب تھا۔

"اُف خدا ــــ میں تو سچ مچ خواب دیکھتا رہا ہوں۔ لاحول ولاقوۃ ــــ ابھی سب لوگ جاگیں گے تو میں اپنا خواب انہیں سناؤں گا ــــ سب سُن کر ہنسیں گے ــــ"

جلد ہی ابو اُٹھ بیٹھے۔ ساتھ ہی انہوں نے دوسروں کو آوازیں دے دے کر اٹھانا شروع کر دیا۔ ابھی سب آنکھیں مل رہے

تھے کہ میں نے کہا۔

"ابو! رات میں نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا۔"

"کیا مطلب!" ابو چونکے۔

"میں نے دیکھا کہ مجھے الہ دین کا جادوئی چراغ مل گیا ہے۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو ــــ اس چراغ کو تو ہم سب نے دیکھا تھا ــــ بلکہ جن کو بھی سب نے دیکھا تھا۔" بھائی جان چلّائے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے ــــ ہم سب ایک ہی خواب کیسے دیکھ سکتے ہیں۔" میں نے حیران ہو کر کہا۔

"تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ خواب تھا۔"

"اس طرح کہ میں نے سوتے وقت وہ چراغ اپنے سرہانے رکھا تھا ــــ اور اب یہاں کوئی چراغ نہیں ہے۔"

"کیا!" ابو کی آنکھیں پھٹ پڑیں۔

"جی ہاں! چراغ یہاں نہیں ہے۔"

"حیرت ہے ــــ آج تک ایسا حیرت انگیز واقعہ سننے میں نہیں آیا کہ سات آٹھ آدمیوں نے ایک ہی خواب دیکھا ہو۔"

"کیا ہوا ابو۔" منے نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا ــــ وہ ابھی تک نیند کے زیر اثر تھا۔

"کیا تم نے بھی رات خواب میں الہ دین کا چراغ دیکھا تھا۔" ابو نے منے سے پوچھا۔

"خواب میں ــــ کیا مطلب ــــ تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں، وہ خواب تھا۔"

"ہاں!"

"ہرگز نہیں ــــ ہم نے رات کوئی خواب نہیں دیکھا تھا ــــ بلکہ ہمیں سچ مچ الہ دین کا چراغ مل گیا ہے۔"

"کیا بکتے ہو ــــ اب وہ چراغ یہاں نہیں ہے۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔"

"خواب میں جب ہم سب سونے لگے، شاہد نے چراغ اپنے سرہانے رکھا تھا، لیکن اب وہ چراغ یہاں موجود نہیں ہے اگر یہ سب ایک خواب نہیں تھا تو چراغ کہاں گیا۔" ابو بولے۔

"بھائی جان نے چراغ سرہانے ضرور رکھا تھا ــــ لیکن میں ڈرا کہ کہیں کوئی اسے چرا نہ لے.... اس لیے...." منا کہتے کہتے رُک گیا۔

"اس لیے کیا ــــ جلدی بتاؤ۔" میں نے بے تابی سے کہا۔

"اس لیے میں نے چراغ کو الماری میں رکھ دیا تھا ــــ اس وقت آپ سب سو گئے تھے۔"

"کیا ــــ کیا تم سچ کہہ رہے ہو۔"

"اگر یقین نہیں آتا تو الماری کھول کر دیکھ لیں۔"

میں بدحواسی کے عالم میں الماری کی طرف دوڑا — دوسرے ہی لمحے میں اس نے اس کے پٹ ایک جھٹکے سے کھول ڈالے۔

الماری میں چراغ موجود تھا۔

جنّ کو نزلہ ہو گیا

"رات ہم نے خواب نہیں دیکھا تھا۔" میں خوشی سے چلّایا۔

"اب سب سے پہلے اس پر سے میل اتارنا چاہیے۔" ابّو بولے۔

"اب اگر اسے رگڑیں گے تو جنّ صاحب کو تکلیف ہوگی۔" میں نے کہا۔

"کیوں نہ اسے وِم سے صاف کیا جائے — اس طرح آہستہ آہستہ رگڑنے سے کام بن جائے گا — پانی بھی گرم کر لیتے ہیں۔" بھائی جان نے تجویز پیش کی۔

"ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔" امّی نے پہلی مرتبہ گفتگو میں حصّہ لیا۔

"تو تم پانی گرم کر لو۔" ابّو نے باجی سے کہا۔

باجی نے آگ جلائی اور پانی گرم ہونے کے لیے رکھ دیا۔

"گھر میں وِم ہے۔" بھائی جان نے پوچھا۔

"پتا نہیں — کل تو ڈبے میں تھوڑا سا موجود تھا۔"

"ذرا دیکھنا شاہد۔"

میں نے برتنوں کے خانے میں ادھر ادھر دیکھا۔ ڈبہ ایک کونے میں مل گیا — لیکن خالی تھا:

"یہ تو خالی ہے!"

"تو دوڑ کر جاؤ — بازار سے ایک چھوٹا ڈبہ لے آؤ۔" ابو بولے۔

"مگر ابا جان — میرے ہاتھ میں تو چراغ ہے، میں کیسے جا سکتا ہوں۔"

"تو چراغ مجھے پکڑا دو۔" بھائی جان نے کہا۔

"جی نہیں — میں چراغ کسی کو نہیں دوں گا۔"

"نہ میں وِم سے دھونے کی تجویز پیش کرتا نہ بازار جانا پڑتا۔" منّے نے جھنجھلا کر کہا، پیسے لیے اور دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔

"پانی گرم ہو گیا ہے۔" باجی نے اعلان کیا۔

"لیکن ابھی وِم نہیں آیا۔" میں بولا۔

"تم اتنی دیر کپڑے کا ٹکڑا گرم پانی میں بھگو کر چراغ پر ملو — میل نرم ہو جائے گا۔" ابو بولے۔

"ابو آج آپ دفتر نہیں جائیں گے۔" باجی نے پوچھا۔

"نہیں — آج میرا دل دفتر جانے کو نہیں چاہ رہا ہے۔"

"چراغ کی وجہ سے۔" بھائی جان ہنس کر بولے۔

"ہاں — میں دیکھنا چاہتا ہوں — رات ہم نے خواب

تو نہیں دیکھا تھا۔"

باجی نے کپڑے کا ایک ٹکڑا لیا اور اسے گرم پانی میں بھگوتے ہوئے بولیں:

"لاؤ چراغ مجھے دو۔"

"میں آپ کو چراغ نہیں دوں گا — لائیے کپڑا، میں خود صاف کروں گا۔"

"کیا تمہارا خیال ہے میں چراغ لے کر بھاگ جاؤں گی۔" باجی کو غصّہ آ گیا۔

"میں چراغ کے معاملے میں کسی کا اعتبار کرنے پر تیار نہیں۔"

"لو بابا — بے اعتبارے کہیں کے۔" باجی نے کپڑا میری طرف اچھال دیا۔ میں نے اسے دبوچا اور چراغ پر ملنے لگا۔ ابھی دو منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ منّا وِم کا ڈبہ لیے اندر داخل ہوا:

"لیجیے بھائی جان۔"

"اسے کھولو — دیکھتے نہیں — میرے دونوں ہاتھ رُکے ہوئے ہیں۔" میں نے تیز لہجے میں کہا۔

"جی معلوم ہے۔" منّے نے کہا اور ڈبہ کھولنے لگا۔

اس کے بعد وِم سے چراغ کی صفائی کا کام شروع ہوا — گھر کے تمام لوگ جوش اور بے چینی کے عالم میں مجھے صفائی

کرتے دیکھ رہے تھے —— میں بہت نرم ہاتھ سے کام لے رہا تھا مبادا جنّ کو تکلیف پہنچے۔

"بھئی اب کر بھی چکو —— پندرہ منٹ لگا دیے ہیں۔" ابّو تنگ آکر بولے۔

"اگر میں نے تیزی سے ہاتھ چلائے تو جنّ دوڑا آئے گا۔"

"تو کیا ہوا —— اب تم اس کے آقا ہی تو ہو۔"

"پھر بھی کسی کو تکلیف دینا کوئی اچھی بات نہیں۔" میں نے کہا۔

"یہ عجیب جنّ ہے، اسے چراغ کی صفائی کرنے سے بھی تکلیف ہوتی ہے۔" امی جان نے مضحکہ خیز لہجے میں کہا۔

"ہو سکتا ہے، اس کی جان اسی چراغ میں ہو ——" بھائی جان نے خیال ظاہر کیا۔

"آج تک جتنی بھی جنوں بھوتوں اور دیووں کی کہانیاں پڑھی ہیں۔ ان سب میں جنوں بھوتوں کی جان کسی جاندار میں بتائی گئی ہے —— پھر بھلا اس کی جان چراغ میں کیسے ہو سکتی ہے۔" باجی نے اعتراض پیش کیا۔

"اگر جنّ کی جان اس چراغ میں نہیں ہے تو اسے رگڑنے سے اسے تکلیف کیوں ہوتی ہے —— وہ کیوں حاضر ہوتا ہے، اسے کیا ضرورت —— آپ کا خیال غلط ہے —— مجھے سو فیصد

یقین ہے، اس جن کی جان ضرور اس چراغ میں ہے۔" میں نے کہا۔

"خیر خیر —— یہ بات ہم اس سے ہی معلوم کر لیں گے —— کیا تم نے چراغ کو مکمل طور پہ صاف کر لیا ہے۔" ابّو نے کہا۔

"جی بس ہونے ہی والا ہے۔ دیکھیے اندر سے کس قدر چمک دار نکل آیا ہے —— بالکل سونے کا لگتا ہے۔"

"کیا خیال ہے —— بیچنے کا ارادہ ہے۔" بھائی جان مسکرائے۔

"ہرگز نہیں —— میں تو اسے ایک لاکھ روپے کا بھی نہ بیچوں۔"

"اچھا —— اب اسے رگڑو —— تاکہ ہمیں معلوم ہو، رات ہم نے کوئی خواب تو نہیں دیکھا تھا۔" ابّو نے کہا۔

"ریتی لاؤں بھائی جان۔" منّا بولا۔

"اُلّو کہیں کا —— کیا تم چاہتے ہو کہ جن کو نیزہ لگتا ہوا محسوس ہو۔"

"ہاں! اب یہ صاف ہو گیا ہے، صرف انگوٹھے سے رگڑ کر ہی کام چل جائے گا۔"

"اچھا —— سب لوگ جنّ صاحب کے لیے صحن خالی کر دیں۔" میں نے بلند آواز میں کہا۔

"ہاں —— کہیں کوئی جنّ کے پاؤں کے نیچے نہ آ جائے۔" منّے کے منہ سے نکلا اور سب ہنسنے لگے۔

"میں چراغ کو رگڑنے لگا ہوں —— ہوشیار —— خبردار —— ڈرنے

کی کوئی ضرورت نہیں — جن میرا غلام ہے — بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔"
یہ کہتے ہوئے میں نے انگوٹھے سے چراغ کو رگڑا — لیکن سطح گیلی
تھی، ہاتھ پھسل گیا اور حضرتِ جن نمودار نہیں ہوئے — یہ دیکھ
کر سب کو از حد مایوسی ہوئی — ابو بولے:

"میں نہ کہتا تھا.... ہم خواب دیکھتے رہے ہیں۔"

"حد ہو گئی — ہم بھی کتنے پاگل تھے، جو ایسی اوٹ پٹانگ
باتوں پر یقین کر بیٹھے۔" بھائی جان نے کہا۔

"یہ شاہد کا بچہ ہمیشہ سب کا وقت ضائع کرتا ہے —"

"اوہ! مجھے تو دفتر بھی جانا ہے۔" ابو کو دفتر یاد آ گیا۔

"اور ہمیں مکان کی تلاش کے لیے جانا ہے۔" بھائی جان نے
کہا۔

"آپ سب لوگ اپنی اپنی ہانکے جا رہے ہیں — کوئی میری
بات بھی سُن لیں — ابھی چراغ کو رگڑ نہیں لگی۔"

"رگڑ نہیں لگی — کیا مطلب؟" کئی ایک کے منہ سے نکلا۔

"جی ہاں! چراغ کی سطح گیلی تھی، میرا انگوٹھا پھسل گیا۔"
میں نے بتایا۔

"لعنت ہے تمہارے انگوٹھے پر — دوبارہ رگڑو۔" باجی
نے غصّے سے کہا۔

"ذرا خشک ہو لینے دیں۔"

"ہوتا رہے گا خشک — تم انگوٹھے کو پھسلنے ہی کیوں دیتے ہو۔"
بھائی جان جھنجھلا کر بولے۔

"اچھا — پھر رگڑتا ہوں۔" میں بھی جھنجھلا اٹھا اور ساتھ
ہی غصّے کے عالم میں چراغ کے بتی والے حصّے کو خوب زور سے
رگڑا۔

زور سے رگڑنا تھا کہ زلزلہ شروع ہو گیا۔

"ارے! پھر زلزلہ —" منّے کے منہ سے نکلا۔

"جی ہاں — یہ جن صاحب کی آمد کا اعلان ہے —" میں نے
بتایا۔ عین اسی وقت شعلوں کا فوارہ زمین سے بلند ہوا —
پھر فوارہ نگاہوں کے سامنے سے غائب ہو گیا اور صرف دو ستون
صحن میں نظر آئے — ہم نے نظریں اوپر اٹھائیں تو تقریباً تین منزل
کی اونچائی پر جن صاحب کا چہرۂ مبارک تشریف فرما تھا — پھر
ایسی آواز آئی جیسے بادل گڑگڑا رہے ہوں۔ ہم نے بادلوں کی
گڑگڑاہٹ پر دھیان دیا تو یہ جن صاحب کے الفاظ تھے —
وہ کہہ رہا تھا:

"کیا حکم ہے میرے آقا۔"

"یہ آج تمہاری آواز کیوں بدلی ہوئی ہے۔" میں نے پوچھا۔

"مجھے نزلہ ہو گیا ہے۔"

"ارے! یہ نزلہ تمہیں کیسے ہو گیا۔"

"معلوم ہوتا ہے آپ نے چراغ کو دھویا ہے۔" جن بولا۔

"ہاں ہاں — منی نے تو کہا تھا کہ اس کا میل اتار لیا جائے۔"

"لیکن میں نے پانی سے میل اتارنے کے لیے کب کہا تھا۔"

"تو پھر — میل کیسے اتارا جا سکتا تھا۔"

"مٹی کے تیل سے۔"

"اوہ! ہمیں اس کا کوئی خیال نہیں آیا — ہمیں افسوس ہے کہ تمہارے نزلے کا باعث بنے۔"

"خیر کوئی بات نہیں — یہ فرمایئے حکم کیا ہے؟"

"حکم.... ہاں حکم بھی بتاتے ہیں — پہلے یہ بتاؤ کہ آج تو تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوئی — میرا مطلب ہے اس وقت، جب میں نے چراغ رگڑا تھا۔"

"جی ہاں — معمولی سی تکلیف ہوئی تھی — پہلے تو میرے جسم پر ایک مکا سا لگا، جو پھسل گیا — دوسری مرتبہ میری گردن پر جیسے کسی نے کوئی گرز دے مارا ہو۔"

"گرز کیا۔" منے نے جن سے پوچھا — لیکن اس نے منے کی آواز نہیں سنی اس لیے میں نے اسے بتایا:

"تم نے پہلوانوں کے ہاتھوں میں ایک بڑی سی گول سی چیز نہیں دیکھی — جس میں دستہ بھی لگا ہوتا ہے — پہلوان لوگ اسے اپنے کندھے پر رکھتے ہیں — یہ بہت بھاری ہوتا ہے۔"

"ہاں ہاں — میں جانتا ہوں۔"

"بس تو پھر — اسے گرز کہتے ہیں۔"

"ارے! یہ مجھے آج ہی معلوم ہوا —"

"یہ آپ لوگ آپس میں کیا باتیں کرنے لگے — مجھے حکم بتائیں۔" جن نے اکتا کر کہا۔

"کیا تمہیں کوئی کام ہے۔" باجی نے پوچھا — لیکن وہ بت کی مانند کھڑا رہا۔

"یہ عجیب بات ہے کہ تم میرے علاوہ کسی کی آواز نہیں سنتے۔" میں نے کہا۔

"دراصل میرا ایک کان خراب ہو گیا ہے۔" جن نے اچانک کہا۔

"کیا مطلب؟" ہم سب چونکے۔

"جی ہاں! تین ہزار سال تک ایک ہی کروٹ سویا رہا ہوں نا — اس لیے ایک کان خراب ہو گیا ہے۔"

"ارے — تو دوسرا کان تو ٹھیک ہے بھائی۔" میں نے حیران ہو کر کہا۔

"جی ہاں! لیکن میرا دوسرا کان صرف اس آدمی کی باتیں سن سکتا ہے جس کے قبضے میں یہ چراغ ہو گا۔"

"اوہ — تو یہ بات ہے — اس کا مطلب یہ ہوا کہ تین

ہزار سال پہلے تم تمام لوگوں کی باتیں سُن سکتے تھے۔"

"جی ہاں!" جن بولا۔

"ابو — اسے سب سے پہلا حکم کیا دیا جائے۔" میں نے پوچھا

"بھئی صبح سے ہم اس چراغ کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، ابھی تک تمہاری امی نے ناشتا بھی تیار نہیں کیا — کیوں نہ تجربے کے طور پہ اس سے ناشتا منگوایا جائے۔" انہوں نے تجویز پیش کی۔

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔" بھائی جان نے ان کی تائید کی۔

"جی بہتر — اچھا تو جن صاحب — ہم نے ابھی ناشتا نہیں کیا — ہم بھوکے ہیں — سب سے پہلے ناشتے کا بندوبست کرو۔"

"جو حکم میرے آقا!" جن نے قدرے جھک کر کہا اور غائب ہو گیا۔

"جلدی جلدی کرسیوں پہ بیٹھ جاؤ — درمیان میں میز خالی کر دو — ناشتا آنے ہی والا ہے۔" میں نے کہا۔

سب نے میری ہدایت پہ عمل کیا — اچانک میز پہ ہمیں بے شمار پوریاں اور کئی سیر حلوہ نظر آیا — صحن میں دیکھا تو دونوں ستون موجود تھے — بادلوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔

"ناشتا حاضر ہے میرے آقا۔"

"بہت بہت شکریہ!" میں نے کہا اور سب ناشتے پر بھوکوں کی طرح ٹوٹ پڑے۔

"کیا مجھے اجازت ہے۔" جن نے پوچھا۔

"ابو — جن کے متعلق کیا خیال ہے، کیا اس کے لیے کوئی اور کام ہے۔"

"کام — ہاں ہے کیوں نہیں سب سے ضروری کام تو مکان کی تلاش ہے — ہم کتنے دنوں سے پریشان ہیں کوئی مکان ملتا ہی نہیں — میرا خیال ہے کہ جن آناً فاناً میں مکان تلاش کر دے گا۔"

"ویری گڈ — بہت شاندار خیال ہے۔" بھائی جان کے منہ سے نکلا۔

"ٹھیک ہے — میں اسے حکم دیتا ہوں.... مسٹر جن!" میں جن سے مخاطب ہوا۔

"یہ مسٹر کیا چیز ہے —" جن نے پوچھا۔

"انگریزی لفظ ہے — ادب سے بلانے کے لیے نام سے پہلے لگایا جاتا ہے۔"

"لیکن میں تو آپ کا غلام ہوں — آپ مجھے مسٹر نہ کہیں۔"

"اچھا خیر — تو بات دراصل یہ ہے کہ ہمیں ایک عدد کرائے کے مکان کی ضرورت ہے۔"

"کرائے کے مکان کی ـــــ میں سمجھا نہیں۔" جن نے حیران ہو کر کہا کیونکہ اس وقت تک چراغ جتنے لوگوں کے پاس بھی رہا ہوگا، کسی نے اسے اس قسم کا حکم نہیں دیا ہوگا۔

"تم یہ مکان دیکھ رہے ہو ـــ چھوٹا سا ہے۔"

"جی ہاں!"

"یہ ہمارا نہیں ہے۔"

"تو پھر ـــ؟" جن حیران رہ گیا۔

"کسی کا ہے، اس سے ہم نے کرائے پر لیا ہے ـــ"

"تو ٹھیک ہے ـــ میں آپ کے لیے پورا محل بنائے دیتا ہوں۔"

"لیکن کہاں بناؤ گے۔"

"جہاں آپ کہیں۔"

"لیکن ہماری کوئی ذاتی زمین نہیں ہے۔"

"تو پہلے زمین خرید لیں گے۔"

"ہمارے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں۔"

"جتنے کہیں لا دوں۔"

"ٹھیک ہے ـــ فی الحال تم پچاس ہزار روپے لا دو۔"

"مجھے گنتی نہیں آتی ـــ بغیر گنے لائے دیتا ہوں ـــ اس میں سے پچاس ہزار روپے لے لیں۔"

"چلو یونہی سہی ـــ"

"بھائی جان ـــ میں اس سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔" منے نے منہ میں حلوہ ٹھونستے ہوئے کہا۔

"وہ کیا؟" میں نے پوچھا۔

"اس نے الہ دین کے لیے ایک رات میں محل کیسے تیار کر دیا تھا۔"

"بھئی وہ جن ہے ـــ اس میں پوچھنے والی کیا بات ہے۔"

"نہیں ـــ آپ پوچھیے تو سہی۔"

"اچھا ـــ ہیلو مسٹر جن ....."

"اب آپ نے مسٹر کے ساتھ ہیلو بھی لگا دیا۔" جن نے اعتراض کر ڈالا۔

"اوہ! مجھے افسوس ہے ـــ ہاں تو میرا چھوٹا بھائی تم سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ تم نے الہ دین کے لیے محل ایک رات میں کیسے تیار کر دیا تھا۔"

"کیا آپ یہ سمجھتے ہیں، وہ میں نے تنہا تیار کر دیا ہوگا۔"

"تو پھر؟" میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"میں کوہ قاف سے جنوں کی پوری فوج ساتھ لے کر آیا تھا۔"

"کیا سب جن تمہارا کہا مانتے ہیں۔" میں نے پوچھا۔

”ہاں! میں ان سب کا بادشاہ ہوں، وہ سب انگوٹھیوں، چھلّوں یا بالوں کے جنّ ہیں۔“

”بالوں کے — کیا مطلب؟“

”کچھ جن ایسے بھی ہیں — جو کسی بال کے ماتحت ہوتے ہیں — اس قسم کے بالوں کو دھوپ دکھائی جائے تو وہ حاضر ہو جاتے ہیں۔ لیکن میں اس چراغ کا جنّ ہوں — ان سب سے طاقت ور ہوں — اس لیے وہ سب میرا کہا مانتے ہیں —“

”ٹھیک ہے — ہم سمجھ گئے — اب تم جلدی سے ہمارے لیے پچاس ہزار روپے کا بندوبست کر دو — تاکہ ہم زمین خرید سکیں اور تم اس پر ہمارے لیے محل تیار کر سکو۔“

”جو حکم میرے آقا۔“ جنّ یہ کہہ کر تھوڑا سا جھکا اور غائب ہو گیا۔

”لیجیے — اب تمام فکر دُور ہو گئے۔“ میں نے کہا۔ ”کیوں بھائی جان! یہ دس آنے کا چراغ کیسا رہا —“

”بھئی مجھے تو ابھی تک یقین نہیں آیا — میرا تو اب بھی یہی خیال ہے کہ ہم کوئی خواب دیکھ رہے ہیں۔“ بھائی جان بولے۔

”کمال ہے — یہ اتنا سارا ناشتا ہڑپ کرنے کے بعد بھی آپ کو یقین نہیں آیا۔“

”کیوں — کیا ہم خواب میں ناشتا نہیں کر سکتے۔“ بھائی جان بولے۔

”چلیے خیر — ابھی تھوڑی دیر بعد جب وہ پچاس ہزار روپے لے کر آئے گا، تب تو آپ کو یقین کرنا ہی پڑے گا۔“

”ہاں — اس وقت تو شاید یقین آ ہی جائے۔“ ابّو بولے۔

اچانک ہماری میز پر دھڑا دھڑ نوٹوں کی گڈیوں کی بارش ہونے لگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے میز پر نوٹوں کی گڈیوں کا ڈھیر لگ گیا۔

”اُف خدا — اتنی دولت۔ یہ تو کئی لاکھ ہوں گے۔“ امّی کی آنکھوں میں خوف تھا۔

”لیکن ہم اس میں سے صرف پچاس ہزار رکھیں گے۔“ میں نے کہا۔

”تم بے وقوف ہو، گھر آئی ہوئی دولت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔“

”لیکن ہم اتنی دولت کا کیا کریں گے — جب بھی ضرورت ہو گی جنّ بھیّا سے منگا لیں گے۔“ میں نے صحن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

جہاں جنّ صاحب موجود تھے۔

”لیکن یہ دولت واپس کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔“ بھائی

جان نے چیں بچیں ہو کر کہا۔

"اچھا خیر ــــ میں جن سے پوچھ لیتا ہوں۔" میں نے تنگ آکر کہا ــــ پھر جن سے مخاطب ہوا۔

"کیوں مسٹر.... نہیں .... ہاں تو بھائی جن کیا ہم یہ ساری دولت رکھ لیں۔"

"کیا یہ پچاس ہزار سے زیادہ ہیں؟"

"ہاں! کچھ زیادہ ہی ہیں۔" میں نے ڈرتے ڈرتے بہت زیادہ کا لفظ استعمال نہیں کیا۔

"رکھ لیں ــــ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"دیکھا! میں نہ کہتا تھا ــــ" بھائی جان نے خوش ہو کر کہا۔

"اچھا تو اب تم جا سکتے ہو ــــ ہم زمین خریدنے کے بعد تمہیں تکلیف دیں گے ــــ پھر تم اپنی جنوں کی فوج لے کر آجانا اور محل تعمیر کر دینا۔"

"جو حکم میرے آقا۔" جن نے کہا اور غائب ہو گیا۔

"اب میرا خیال ہے کہ مجھے ملازمت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" ابو بولے۔

"بالکل کوئی ضرورت نہیں۔" بھائی جان نے کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو اب یقین آگیا ہے کہ ہم

کوئی خواب نہیں دیکھ رہے ہیں۔"

"ہاں بھئی ــــ اب یقین کیے بغیر کوئی چارہ بھی تو نہیں۔" ابو نے کہا۔

"شکر ہے خدا کا ــــ آپ کو یقین تو آیا۔"

"اچھا ــــ تو میں زمین دیکھنے جاتا ہوں۔" ابو نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ہم سے بڑی بھول ہوئی۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"ہم زمین بھی جن کے ذریعے ہی تلاش کروا سکتے تھے۔"

"بھئی اسے بھی کچھ آرام کرنے دو ــــ کہیں تھک نہ جائے۔" امی جان نے کہا اور ہم سب کو ہنسی آگئی۔

شام کے وقت ابو واپس آئے اور انہوں نے اعلان کیا:

"میں ایک بہت ہی اچھا پلاٹ دیکھ آیا ہوں ــــ صبح اسے خرید لیا جائے گا ــــ"

"آپ بیعانہ تو دے آئے ہیں نا۔"

"ہاں! دے آیا ہوں۔"

"بس ٹھیک ہے ــــ کل پلاٹ خرید لیا جائے گا اور پرسوں ہمارا محل تیار ہو جائے گا۔" میں بولا۔

"اور اس کے بعد ہم اپنا کوئی کاروبار شروع کریں گے۔" ابو

نے کہا۔

"کیوں کاروبار کرنے کی کیا ضرورت ہے — جب ضرورت ہوا کرے گی، جنّ سے پیسے منگا لیا کریں گے۔" بھائی جان نے کہا۔

"لیکن اس طرح تو ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہا کریں گے — اور تنگ آجائیں گے۔" میں نے اعتراض کیا۔

"چلو خیر — کوئی کاروبار کرلیں گے۔" ابّو نے میری بات مان لی۔

اگلے دن کے اخبار نے ہم سب کو چونکا دیا — اخبار میں دو خبریں بہت اہم تھیں۔

پہلی خبر تھی:

ایک بینک سے پُراسرار طور پر تین لاکھ کے قریب روپے غائب ہوگئے۔

دوسری خبر تھی:

ایک حلوائی کے حلوے اور پوریوں سے بھرے ہوئے تھال پُراسرار طور پر غائب ہوگئے۔

دونوں خبروں کی تفصیل پڑھ کر ہم پریشان ہوگئے — سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا — جیسے کہہ رہے ہوں:

تو یہ حرکت جنّ کی ہے۔

جنّ کی بھول

"اب کیا ہوگا — جنّ نے تو ہمیں مصیبت میں پھنسا دیا۔" ابّو گھبرا گئے۔

"وہ کیسے؟"

"پولیس چوروں کی تلاش میں ہوگی — اگرچہ ہم چور نہیں ہیں لیکن رقم ہمارے پاس سے برآمد ہوئی تو چور ہمیں ہی سمجھا جائے گا — بھلا کون ہماری چراغ کے جنّ والی بات پر یقین کرے گا؟"

"پھر کیا کیا جائے —" بھائی جان نے پوچھا۔

"جنّ کو بلاؤ — ورنہ ہم گرفتار کرلیے جائیں گے۔" ابّو نے کہا — ان کا منہ فق تھا۔

"آخر کیسے — پولیس ہم تک کیسے پہنچ سکتی ہے۔" میں نے پوچھا۔

"ہم اس رقم سے پلاٹ خریدیں گے، پھر جن ہمارے لیے محل تیار کرے گا اور پولیس ہماری طرف متوجہ ہو جائے گی — وہ ہم سے پوچھے گی کہ ہمارے پاس اتنا بڑا اور شاندار محل تعمیر کرانے کے لیے رقم کہاں سے آئی — ہم اس سوال کا کوئی جواب نہیں

دے سکیں گے اور گرفتار کر لیے جائیں گے — دوسرے دن اخبارات میں خبر چھپے گی — چوروں کا گروہ پکڑا گیا۔"

"ہم کہہ دیں گے کہ یہ دولت ہمارے آباؤ اجداد کے زمانے کی ہے۔" بھائی جان نے کہا۔

"لیکن پولیس بہت جلد معلوم کرے گی کہ میں محکمہ جنگلات میں ایک معمولی کلرک کی حیثیت سے ملازمت کرتا رہا ہوں۔"

"تو پھر اس سلسلے میں جنّ ہی بہتر مشورہ دے سکے گا — میں اسے بلاتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"ہاں — ٹھیک ہے۔ بلاؤ اس کم بخت کو۔" ابّو نے کہا۔

دوسرے ہی لمحے جنّ صحن میں موجود تھا۔

"کیا حکم ہے میرے آقا۔"

"یہ دولت تم نے بینک سے چرائی تھی۔" میں نے پوچھا۔

"جی ہاں!"

"اور وہ حلوہ اور پوریاں حلوائی کی دکان سے؟"

"جی ہاں!"

"مگر کیوں — تم نے ایسا کیوں کیا۔"

"آپ کے حکم کی تعمیل کرنے کے لیے۔"

"لیکن میں نے تمہیں چوری کی چیزیں لانے کے لیے نہیں کہا تھا۔"

"چوری کی چیزیں — تو میں دولت اور ناشتا اپنے پاس سے کہاں سے لا سکتا تھا — میرے پاس اپنا کوئی ذاتی خزانہ ہے نہ خوراک کا ذخیرہ —"

"تو تم الہ دین کے زمانے میں بھی اس کے احکام کی تعمیل اسی طرح کرتے رہے ہو۔"

"جی ہاں!"

"وہ اور زمانے تھے، تم نے بینک میں چوری کر کے ہمیں مصیبت میں پھنسا دیا۔"

"وہ کیسے؟"

"پولیس کھوج لگاتی پھر رہی ہے، وہ جلد ہی ہم تک پہنچ جائے گی۔"

"تو پھر — اس سے کیا۔" جنّ نے پوچھا۔

"یعنی اس سے کچھ ہوا ہی نہیں۔"

"بتائیے بھی نا۔"

"ارے بھائی جنّ صاحب — پولیس ہم سب کو گرفتار کر لے گی — ہمیں جیل میں ٹھونس دے گی۔"

"پھر کیا ہوا۔" جنّ نے لاپروائی سے کہا۔

"یعنی کچھ ہوا ہی نہیں۔"

"آپ کو جیل سے نکال لانا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوگا۔"

"لیکن ہم تو اس وقت تک بے عزت ہو چکے ہوں گے۔"

"تو پھر میں آپ کو گرفتار ہی نہیں ہونے دوں گا۔" جنّ نے ایک نئی تجویز پیش کی۔

"وہ کیسے؟" میں نے خوش ہو کر پوچھا۔

"میں پولیس کو ادھر آنے ہی نہیں دوں گا — اگر اس نے اس طرف کا رُخ کیا تو اس کی چٹنی بنا دوں گا۔"

"نہیں — یہ ساری دولت ملک کے لوگوں کی ہے۔ بینک ان لوگوں کو کہاں سے ادا کرے گا — اور پھر بینک بھی تو ملک کا ہی ہے — ہمیں ایسی دولت نہیں چاہیے —" ابّو بول اُٹھے۔

"پھر — ؟" میں نے سوال کیا۔

"اسے کہو — رقم جہاں سے اڑائی تھی وہیں رکھ دے۔"

"اور حلوہ اور پوریاں۔" میں نے پوچھا۔

"خیر — وہ تو ہم کھا چکے ہیں —"

"اچھا — مسٹر — اور ..... ہاں تو صرف جنّ صاحب میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ یہ ساری دولت جہاں سے لائے تھے وہیں رکھ آؤ۔"

"کیا مطلب؟" جنّ نے حیران ہو کر کہا۔

"ہمیں ایسی دولت نہیں چاہیے — ہمارے نزدیک یہ

حرام کی دولت ہے۔"

"جو حکم میرے آقا —"

"اور ہاں — رقم وہاں رکھ کر واپس ادھر ہی آجانا، کہیں کسی اور طرف نکل جاؤ۔"

"جی بہت اچھا — کیا کوئی اور کام ہے۔"

"ہاں — ایک بہت ضروری کام ہے۔" میں نے کہا۔

"تو وہ بھی ساتھ ہی بتا دیں — بار بار چکر کیوں لگواتے ہیں۔" جنّ کے چہرے پہ ناگواری جھلک رہی تھی۔

"نہیں — جو کہا ہے، کرو۔"

"جو حکم ہے میرے آقا۔"

"ایک بات بتاتے جاؤ —" میں نے جلدی سے کہا۔

"جی — پوچھیے۔"

"کیا تم الہ دین کے زمانے میں بھی اسی طرح بار بار کام بتانے پر بڑے بڑے منہ بنایا کرتے تھے۔"

"جی — جی نہیں تو —"

"وہ کیوں —"

"اس لیے کہ اس زمانے میں لوگ جو حکم دیتے تھے اس کے نتیجے کی پروا نہیں کرتے تھے، میں نے جب بھی الہ دین یا کسی اور کے حکم کی تعمیل کی، انہوں نے کبھی یہ نہیں پوچھا کہ وہ کام

میں نے کیسے انجام دیا ـــ"

"ہوں ـــ اگر تم نے آئندہ بُرا منہ بنایا تو میں ریتی سے رگڑ کر تمہیں بلایا کروں گا۔"

"نہیں نہیں ـــ میرے آقا ـــ ایسا نہ کیجیے گا۔" جنّ گھبرا گیا۔

"تو جاؤ ـــ فوراً یہ رقم وہیں رکھ آؤ ـــ جہاں سے لائے تھے۔"

میں نے میز پہ رکھی رقم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"جو حکم میرے آقا ـــ" دوسرے ہی لمحے وہ غائب ہو گیا۔

"ارے! اس نے رقم تو اٹھائی ہی نہیں۔" میں نے گھبرا کر میز کی طرف دیکھا ـــ لیکن میز خالی تھی۔

دوسرے دن اخبار میں ایک اور حیرت انگیز خبر چھپی ـــ سارے شہر میں اس خبر کا چرچا ہونے لگا۔ جسے دیکھو اسی خبر پہ بات کر رہا ہے ـــ خبر یہ تھی:

"لاکھوں روپے کی رقم واپس پہنچ گئی۔" نیچے تفصیل تھی کہ کل جو رقم بینک سے غائب ہوئی تھی، وہ تمام کی تمام واپس مل گئی لوگ چکر میں تھے۔ پولیس بھی چکر پر چکر کھا رہی تھی ـــ کہ آخر یہ کیسا چور تھا ـــ جس نے کامیابی سے رقم اڑائی اور پھر واپس رکھ گیا ـــ چند ایک نے یہ خیال بھی کیا ـــ شاید بینک کے کسی ملازم نے رقم اڑائی تھی ـــ اور پھر پولیس کے ڈر سے واپس رکھ دی۔

اس دن ہم شام تک جنّ کا انتظار کرتے رہے لیکن وہ نہ آیا۔

"حیرت ہے ـــ میں نے جنّ بھیّا سے کہا تھا کہ پیسے جگہ پہ رکھنے کے بعد سیدھے یہاں ہی واپس آنا ـــ پھر وہ کیوں نہیں آیا۔"

"کہیں پکڑا نہ گیا ہو۔" منّے نے خیال ظاہر کیا۔

"کیا بکتے ہو ـــ بھلا وہ کیسے پکڑا جا سکتا ہے ـــ"

"تب پھر وہ کیوں نہیں آیا۔" بھائی جان نے کہا۔

"کوئی کام پڑ گیا ہو گا ـــ آخر وہ بھی جان دار ہے۔" الّو نے خیال ظاہر کیا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے ـــ" باجی بولیں۔

"تو کیا میں چراغ رگڑوں ـــ" میں نے پوچھا۔

"اب تو شام ہو چلی ہے ـــ اس کو بلا کر کیا کرو گے ـــ"

"مکان کی تلاش کا کام لیں گے اس سے۔" میں نے کہا۔

"صبح سہی ـــ اب اسے آرام کرنے دو ـــ"

"جی اچھا ـــ"

اگلے دن صبح سویرے چراغ کو رگڑا گیا ـــ ردِّ عمل فوراً ہی ہوا ـــ حسبِ معمول جن نے کہا۔

"کیا حکم ہے میرے آقا؟"

"پہلے یہ بتاؤ ـــ تم کل پیسے واپس رکھنے کے بعد کیوں نہیں

آئے تھے۔" میں نے غصّے سے لال پیلا ہو کر کہا۔

"جی — کیا مطلب۔"

"کیا تم بھول گئے — کل جب تم جانے لگے تو میں نے تم سے کہا تھا کہ رقم رکھنے کے بعد واپس آنا۔"

"اوہ! — یہ بات تو مجھے ابھی یاد آئی ہے — مجھے افسوس ہے — آئندہ بھول نہیں ہو گی۔"

"کیا اس سے پہلے بھی کبھی تم بھولے ہو —"

"جی نہیں — خدا جانے کیا بات ہے — پہلی مرتبہ اس قسم کی بھول ہوئی ہے — ان دنوں عجیب و غریب باتیں ہو رہی ہیں — خدا جانے یہ اس دور کی آب و ہوا کی وجہ سے ہے یا کوئی اور بات ہے — بہرحال میں معافی چاہتا ہوں۔"

"ہوں — اب غور سے سنو — تمہیں ہمارے لیے کرائے کا ایک مکان تلاش کرنا۔"

"پورے شہر میں کسی جگہ بھی —؟" جن نے پوچھا۔

"ہاں! جہاں بھی مل جائے — لیکن کرایہ سو روپے سے زیادہ نہ ہو۔"

"جی بہت اچھا — یہ کام تو چٹکیوں کا ہے — کیا آج آپ ناشتا نہیں کریں گے۔"

"کریں گے کیوں نہیں۔"

"تو کیا ناشتا حاضر کروں۔"

"نہیں — آج ہم نے ناشتا خود ہی تیار کر لیا ہے — تمہیں جو کہا ہے وہ کرو۔"

"جو حکم میرے آقا۔" جن غائب ہو گیا۔

"لیجیے ابو — کم از کم اب مکان کا مسئلہ تو حل ہو گیا۔" میں نے کہا۔

"ابھی کیا کہا جا سکتا ہے۔" ابو بولے۔

"کیوں — کیا آپ سمجھتے ہیں کہ جن یہ کام نہیں کر سکے گا۔"

"یوں تو وہ ہر کام کر سکتا ہے — اس نے ہمیں لاکھوں روپے بھی لا دیے تھے، ناشتا بھی حاضر کر دیا تھا — لیکن کیا ہم اس کے ان دونوں کاموں سے مطمئن ہو گئے۔"

"ان کاموں کی بات اور تھی — لیکن مکان تلاش کرنے کی بات دوسری ہے —"

"اچھا خیر دیکھا جائے گا۔" ابو نے کہا اور اپنے دفتر چلے گئے۔

ہم تمام دن جن کا انتظار کرتے رہے — شام کے چھ بجے کہیں وہ آیا — اس کے چہرے پر تھکن کے آثار تھے — قدرے ہانپ بھی رہا تھا۔

"کیوں — کیا رہا — تم نے بہت دیر لگا دی۔"

"جس کام کو میں چٹکیوں کا سمجھا تھا، وہ تو مشکل ترین ثابت ہوا۔" جن نے شرمندہ ہو کر کہا۔

"کیا مطلب!" میں نے حیران ہو کر کہا۔

"میں نے پورا شہر چھان مارا لیکن صرف دو تین مکان کرائے کے مل سکے ـــ اور ان کا کرایہ بھی تین سو روپے سے کم نہیں ہے۔" جن نے بتایا۔

"تین سو روپے ـــ اتنا کرایہ تو ہم نہیں دے سکتے ـــ تین سو روپے تو ابو کی تنخواہ ہی ہے۔"

"آپ لوگ ناحق پیسوں کی فکر کرتے ہیں ـــ میں آپ کے قدموں میں دولت کے انبار لگا سکتا ہوں۔"

"اگر آپ گرفتاری سے ڈرتے ہیں تو میں دوسرے شہروں سے لا دیا کروں گا۔"

"کیوں ابو ـــ کیا خیال ہے ـــ"

"ہاں! یہ خیال تو برا نہیں ہے ـــ"

"تو پھر کیوں نہ ہم اپنا محل ہی بنوا لیں۔"

"ہاں ـــ اس طرح تو یہ بھی ممکن ہے۔"

"ویری گڈ ـــ یہ ہوئی نا بات ـــ اچھا تو مس..... اہ..... نہیں..... بھائی جن صاحب ـــ تم یوں کرو کہ کسی دوسرے شہر سے ـــ بلکہ کسی دور دراز کے شہر سے ہمیں دو تین لاکھ

روپے لا دو ـــ تاکہ ہم پلاٹ خرید سکیں اور پھر تم اس پر محل تعمیر کرا دو ـــ"

"بہت خوب ـــ اب آپ نے میرا دل خوش کیا ـــ بھلا میرے آقا اور رہیں کرائے کے مکان میں ـــ مجھے یہ بہت برا لگ رہا تھا لیکن آپ کے حکم سے مجبور تھا ـــ اب دیکھیے گا ـــ میں آپ لوگوں کو کس قدر عیش کراتا ہوں۔"

"تو ٹھیک ہے ـــ اب تم جا سکتے ہو ـــ ہاں! یہ بتا دو کتنی دیر میں آجاؤ گے؟"

"بس ـــ ابھی گیا اور ابھی آیا ـــ" یہ کہہ کر جن گم ہو گیا ـــ چند سیکنڈ بعد ہی ہمارے سامنے ایک بار پھر میز پر لاکھوں روپے کے نوٹوں کی گڈیاں پڑی تھیں اور ہم انہیں آنکھیں پھاڑ دیکھ رہے تھے۔

گھر کے سینما

اگلے دن پلاٹ خرید لیا گیا ـــ یہ شہر سے قدرے فاصلے پر تھا۔ جن کو بلا کر بتا دیا گیا کہ پلاٹ کس جگہ خریدا گیا ہے اور یہ کہ اب اسے آناً فاناً میں محل تعمیر کرنا ہے۔ دوسرے دن جن چراغ رگڑے بغیر ہی حاضر ہو گیا اور ہمیں یہ خوشخبری سنائی کہ محل تیار ہو چکا ہے۔

"تو ہم اسے ابھی اور اسی وقت دیکھنے چلیں گے۔" ابو نے کہا۔

"ٹھیک ہے ـــ ٹیکسی میں چلیں گے یا کوئی تانگا کریں۔" بھائی جان نے پوچھا۔

"اب ہم ٹیکسی یا تانگے میں سفر نہیں کریں گے ـــ" ابو نے فخر سے کہا۔

"تو پھر ـــ؟" میں نے پوچھا۔

"ابھی ہمارے پاس بہت پیسے ہیں ـــ میں آج ہی جا کر ایک کار خرید لیتا ہوں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے ـــ لیکن اس وقت کیسے چلا جائے۔"

بھائی جان نے پوچھا۔

"کیوں نہ ہم جن کے اوپر سفر کریں۔" میں نے الٰہ دین اور اسی قسم کی دوسری کہانیاں یاد کرتے ہوئے کہا۔

"پوچھو پھر اپنے جن سے۔" ابو نے کہا۔

"بھیا جن ـــ تم ہم سب کو محل تک لے جا سکتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"کیوں نہیں ـــ یہ بھی کوئی مشکل کام ہے۔"

"تو پھر لے چلو۔"

"آئیے ـــ میرے ہاتھ پر بیٹھ جائیے۔" جن نے کہا۔

"تمہارے ہاتھ پر ـــ کیا ہم سب تمہارے ہاتھ پر آ سکتے ہیں۔"

"آپ تو میرے ہاتھ کی ایک انگلی پر آ سکتے ہیں۔"

"لیکن ہم پکڑیں گے کیا؟" میں نے پوچھا۔

"میرے بال، فکر نہ کریں ـــ آپ گریں گے نہیں۔"

"تو لاؤ اپنا ہاتھ ـــ نیچے کرو۔"

جن نے اپنا ہاتھ صحن کے فرش پر رکھ دیا ـــ ایسا کرنے کے لیے اسے جھکنا پڑا ـــ اور اس وقت ہم نے اس کا سر دیکھا ـــ یہ بادشاہی مسجد کے درمیانی گنبد جتنا بڑا تھا، اور اس کے بال بہت موٹے تھے ـــ دیکھنے میں پتلی پتلی رسیاں لگتے تھے۔

ہاتھ پورے صحن میں آیا۔ ہم جلدی جلدی اس پر چڑھ گئے اور سب نے بالوں کو پکڑ لیا۔

"سب لوگ چڑھ چکے ہیں —" جن نے پوچھا۔

"ہاں!"

"تو میں چلا —"

جن کا ہاتھ اوپر اٹھنے لگا — اور ہمیں یوں محسوس ہوا جیسے ہم کسی ہنڈولے میں بیٹھے ہیں اور ہنڈولا اوپر اٹھ رہا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہم شہر سے بہت اونچائی پر آگئے — اس اونچائی سے شہر کے مکان بہت چھوٹے دکھائی دیے اور لوگ تو بالکل بونے دکھائی دیے۔ ایسے میں میں نے پوچھا۔

"کیا تم شہر کے اور لوگوں کو نظر آتے ہو؟"

"نہیں۔"

"لیکن میرے گھر والوں کو تو نظر آتے ہو۔"

"ہاں — اس چراغ کی وجہ سے — یہ چراغ جس جگہ موجود ہو، اس کے ارد گرد دس گز کے اندر موجود لوگ مجھے دیکھ سکتے ہیں۔ اس وقت بھی چونکہ چراغ تمہارے ہاتھ میں ہے، اس لیے باقی لوگ بھی مجھے دیکھ سکتے ہیں۔"

"ہوں۔ ہم محل کتنی دیر میں پہنچ جائیں گے؟"

"وہ دیکھیے — سامنے محل نظر آ رہا ہے — میں نیچے اتر رہا

ہوں — بالوں کو مضبوطی سے پکڑ لیں۔"

ہم نے سامنے دیکھا — ایک عظیم الشان محل ہماری آنکھوں کے سامنے تھا۔ ایک سیکنڈ بعد ہی جن نے اپنا ہاتھ محل کی چھت پر رکھ دیا:

"یہ آپ کے محل کی چھت ہے۔"

ہم اس کے ہاتھ سے نیچے اترے۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے نیچے آئے — گھوم پھر کر سارا محل دیکھا — اس میں کوئی شک نہیں، محل بہت بڑا تھا، اس میں بے شمار کمرے تھے لیکن ہم سب اسے دیکھ کر بہت مایوس ہوئے:

"کیا بات ہے — آپ لوگ کچھ چپ چپ سے لگتے ہیں؟" جن نے پوچھا۔

"محل ہمیں پسند نہیں آیا۔" میں نے کہا۔

"کیا برائی ہے اس میں۔" جن نے برا مان کر کہا۔

"یہ آج سے تین ہزار سال پرانی طرز کا بنا ہوا ہے۔ اس میں آج کے دور کی کوئی چیز بھی نہیں ہے — مثلاً اس میں فلش سسٹم نہیں ہے، پانی کی موٹر نہیں لگی ہوئی ہے — واش بیسن نہیں ہیں۔"

"یہ تینوں نام میرے لیے بالکل نئے ہیں — میرے پلے نہیں پڑے۔"

"لیکن اب کیا ہو سکتا ہے — جیسا بننا تھا بن گیا۔" میں نے بجھے بجھے لہجے میں کہا۔

"نہیں نہیں — مایوس ہونے کی ضرورت نہیں — آپ مجھے تفصیل سے بتائیں۔"

میں نے اسے ایک جدید طرز کی کوٹھی کی ساری تفصیلات بتائیں۔ کاغذ پر چیزوں کے نقشے بنا بنا کر دکھائے اور آخر میں تنگ آکر بولا۔

"تم یوں کیوں نہیں کرتے کہ شہر کی عظیم الشان کوٹھیوں کو جا کر دیکھو — اس طرح تم خود بخود جان جاؤ گے کہ ہم کس قسم کی کوٹھی چاہتے ہیں۔"

"یہ ٹھیک رہے گا — تو کیا میں جاؤں۔" جنّ نے پوچھا۔

"اور ہم واپس کس طرح جائیں گے۔"

"آئیے — پہلے آپ کو گھر چھوڑ آؤں —"

"اسے ڈراپ کرنا کہتے ہیں —" میں نے جنّ کو بتایا۔

"یعنی کسی کو اس کے گھر پہنچانے کو —؟" جنّ نے پوچھا۔

"ہاں — کسی بھی جگہ اپنی گاڑی سے اتارنے کو ڈراپ کرنا کہتے ہیں۔"

"تو آئیے — آپ کو ڈراپ کرتا جاؤں۔" جنّ نے مطلب سمجھتے ہوئے کہا اور ہم ہنسنے لگے۔

اس کے بعد دو دن تک جنّ غائب رہا۔ اس دوران میں ابو نے کار کا سودا کر لیا تھا لیکن ابھی لے کر نہیں آئے تھے کیونکہ ایک کمرے کے اس مکان کے آگے کار کھڑی کر کے تماشہ بن سکتے تھے آخر تنگ آکر دوسرے دن شام کو ابوّ نے کہا۔

"بھئی وہ تمہارا جنّ تو آیا ہی نہیں۔"

"کوئی کام آپڑا ہو گا — آخر وہ بھی جنّ ہے — جان دار ہے۔"

"ہاں یہ تو ہے — تو تم چراغ کو رگڑ کر اسے کیوں نہیں بلاتے۔"

"کیا ضرورت ہے۔"

"معلوم کرتے کہ کوٹھی تیار ہو گئی ہے یا نہیں۔"

"جہاں تک میرا خیال ہے، کوٹھی تیار ہوتے ہی وہ خود بخود آئے گا۔" میں بولا۔

"تو چراغ رگڑنے میں کیا حرج ہے۔" منّا بے چین ہو کر بولا۔

"اچھا — بلاتا ہوں۔"

میں نے الماری کا تالا کھولا، اس میں سے چراغ نکالا اور انگوٹھے سے اسے رگڑا۔ دوسرے ہی لمحے ہم حیران رہ گئے۔ نہ زلزلہ آیا اور نہ جنّ!

"یہ کیا — کہیں چراغ بے اثر تو نہیں ہو گیا۔" بھائی جان گھبرا گئے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"ہو سکتا ہے، جن بیمار ہو گیا ہو۔"

"ہاں — یہ ممکن ہے۔" امی بولیں۔

"ایک بار پھر رگڑو —" ابو بولے۔

"میرا خیال ہے، بار بار رگڑنا ٹھیک نہیں — اگر وہ بیمار ہوا تو اسے اور بھی تکلیف ہو گی۔" میں نے اعتراض کیا۔

"اچھا — کم از کم ایک بار تو اور رگڑ کر دیکھ لو۔"

"جی بہتر۔" میں نے کہا اور چراغ کو آہستہ سے رگڑا — دوسرے ہی لمحے زلزلہ شروع ہو گیا — اس کے ساتھ ہی سب خوش ہو گئے۔

"آہا — جن آ رہا ہے۔"

"کہیں یہ قدرتی زلزلہ نہ ہو۔" بھائی جان کو ڈر محسوس ہوا — لیکن پھر سب مطمئن ہو گئے کیونکہ صحن میں دونوں ستون موجود تھے۔

"میں جانتا ہوں میرے آقا — آپ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔" وہ بولا۔

"پہلے یہ بتاؤ، پہلی مرتبہ رگڑنے پر کیوں حاضر نہیں ہوئے۔"

"کوٹھی کے بندوبست میں لگا ہوا تھا۔"

"کیا مطلب — کیا ابھی تک کوٹھی تیار نہیں ہوئی۔"

"جی نہیں۔"

"آخر کیوں۔"

"دوسرے شہر سے اینٹیں اور سیمنٹ وغیرہ لانا تھا — ایک ہزار جنوں کو وہاں بھیجا گیا — لیکن اتفاق کی بات کہ کسی اینٹوں کے بھٹے پر اینٹیں تیار نہیں ملیں — البتہ سیمنٹ وہ لے آئے ہیں، دوسرا سامان بھی آ گیا ہے — اینٹیں تیار ہونے کی دیر ہے، کوٹھی تیار ہو جائے گی۔"

"تو اس شہر کے بھٹوں سے لے آتے۔"

"پھر آپ کو پولیس کا فکر پڑ جاتا۔"

"ہوں — ٹھیک ہے — اچھا خیر کوئی بات نہیں، کل تم خود آ جاؤ گے، یا چراغ رگڑوں۔" میں نے پوچھا۔

"اگر کوٹھی تیار ہو گئی تو میں خود ہی آ کر اطلاع دوں گا۔"

"بہت خوب، کیا تم بتا سکتے ہو کہ یہ چراغ کسی طریقے سے بے اثر تو نہیں ہو سکتا۔"

"ہاں ہو سکتا ہے — اگر اس چراغ کو خالص دیسی گھی میں ڈبو دیا جائے تو یہ ہمیشہ کے لیے بے اثر ہو جائے گا اور میں اس غلامی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آزاد ہو جاؤں گا۔"

"کیا تم چاہتے ہو، کہ آزاد ہو جاؤ۔"

"آزاد ہونا کون نہیں چاہتا۔"

"تم آزاد ہو کر کیا کرو گے ـــ"

"پھر میں کوہ قاف میں خود مختار حکمران کی حیثیت سے حکومت کروں گا۔"

"وہ تو تم اس وقت بھی کر سکتے ہو۔"

"نہیں ـــ اس وقت تو میں آپ کا غلام ہوں۔"

"تو کیا ہوا ـــ تم ہر وقت تو یہاں نہیں رہتے۔"

"لیکن میں ہر وقت وہاں بھی تو نہیں رہ سکتا ـــ مثلاً میرا دربار لگا ہوا ہے، تمام درباری جن حاضر ہیں، کوئی مقدمہ پیش ہے ـــ گواہوں کے بیان ہو رہے ہیں ـــ پھر میرے فیصلہ دینے کی باری آتی ہے کہ آپ ادھر چراغ کو رگڑ دیتے ہیں ـــ اور مجھے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر یہاں آنا پڑتا ہے ـــ بھلا یہ کیسی بادشاہت ہوئی ـــ بادشاہ تو خود مختار ہوتا ہے ـــ جہاں چاہے جائے، جو چاہے کرے، میں تو آپ کی مرضی کا محتاج ہوں۔"

"ٹھیک ہے ـــ میں سمجھ گیا ـــ خیر میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں کہ گھر آئی دولت کو ٹھکرا دوں ـــ میں اسے خالص دیسی گھی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دُور رکھوں گا۔"

"آپ کی مرضی ـــ" جن نے مایوس ہو کر کہا۔

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔" میں نے پوچھا۔

"اور وہ کیا؟"

"اگر تم ہمیں دیسی گھی والی بات نہ بتاتے تو لاعلمی میں ہو سکتا تھا کہ کسی دن چراغ میرے ہاتھ سے دیسی گھی کے کنستر میں گر جاتا، اس طرح تمہارے آزاد ہونے کا امکان تھا، پھر تم نے مجھے یہ بات کیوں بتائی۔"

"آپ نے پوچھا تھا، میں نے بتا دیا۔"

"تم جھوٹ بول سکتے تھے ـــ کوئی اور چیز بتا سکتے تھے۔"

"نہیں .... جس شخص کے پاس یہ چراغ ہو، میں اس سے جھوٹ نہیں بول سکتا ...."

"کیوں ـــ اس سے کیا ہوتا ہے۔"

"مجھ پر عذاب نازل ہوتا ہے۔"

"اوہ میں سمجھا ـــ اچھا تم جاؤ اور جلد از جلد کوٹھی تیار کرو ـــ اگر اس مرتبہ بھی کوٹھی میں کوئی نقص رہا تو میں چراغ ریتی سے رگڑوں گا۔"

"نن .... نہیں ـــ" ریتی کا نام سنتے ہی جن لرز اٹھا اور پھر غائب ہو گیا۔

تیسرے دن شام کو اس نے آکر بتایا:

"کوٹھی تیار ہو گئی ہے۔" ہم سب خوش ہو گئے۔

"تو ہم سب کو وہاں لے چلو ـــ" دو منٹ بعد ہی اس نے ہمیں کوٹھی کی چھت پر اتار دیا ـــ ہم نیچے اترے، گھوم پھر کر کوٹھی دیکھی اور جی خوش ہو گیا ـــ کوٹھی پوری کی پوری جدید طرز پر بنائی گئی تھی۔ فلش سسٹم اعلیٰ قسم کا تھا۔ ٹیبل فین موجود تھے ـــ دو عدد ریفری جریٹر بھی نظر آئے۔ ہم ایک کمرے میں گھسے تو حیران رہ گئے ـــ یہاں ایک بہت بڑا ٹیلی ویژن موجود تھا ـــ اس کی سکرین سینما جتنی بڑی تھی۔

"ارے! اتنا بڑا ٹیلی ویژن۔" ہمارے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

"یہ نہ صرف ٹیلی ویژن ہے بلکہ سینما بھی ہے ـــ" جن نے باہر سے جواب دیا ـــ وہ صحن میں کھڑا تھا۔

"کیا مطلب!" میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"اس ٹیلی ویژن پر آپ شہر کے سینماؤں میں دکھائی جانے والی کوئی سی بھی فلم دیکھ سکتے ہیں۔"

"ارے! یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

"اس وقت کیا ٹائم ہے۔" جن نے پوچھا۔

"پانچ بج رہے ہیں۔"

"کیا اس وقت سینماؤں میں فلمیں شروع ہو گئی ہیں۔"

"ہاں!"

"تو بتائیے آپ کون سی فلم دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"اس شہر میں دلیپ کمار کی فلم آرزو لگی ہوئی ہے، وہ دکھا دو۔"

"اچھا ـــ ٹیلی ویژن کا بٹن دبائیں۔"

میں نے آگے بڑھ کر بٹن دبایا ـــ ٹیلی ویژن آن ہو گیا۔

"اب اس کا بڑا گول بٹن گھماتے رہیں ـــ اس طرح شہر بھر کے سینماؤں میں دکھائی جانے والی فلمیں سکرین پر آتی رہیں گی ـــ جو فلم جی چاہے دیکھ سکتے ہیں ـــ جب آپ کی مرضی کی فلم لگ جائے تو بٹن گھمانا بند کر دیں۔"

"بہت خوب!"

میں نے ایسا ہی کیا ـــ دوسرے ہی لمحے سکرین پر دلیپ کمار کی شکل نظر آئی ـــ جو گا رہا تھا:

"اے دل مجھے ایسی جگہ لے چل جہاں کوئی نہ ہو۔"

آدھی بوتل تیل

کوٹھی کی سیر سے واپس آکر ہم نے مالک مکان کو بتایا
کہ ہم اس کا مکان خالی کر رہے ہیں۔ پھر جنّ کو حکم دیا کہ ہمارا
سارا سامان کوٹھی میں پہنچا دے، لیکن اس سے پہلے کہ جنّ حکم
بجا لاتا، اس نے کہا۔

"لیکن میرے آقا—یہ گھسا پٹا اور گیا گزرا سامان کوٹھی
میں کیا اچھا لگے گا اور پھر وہاں تو پہلے ہی ہر چیز موجود
ہے۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" ابّو بولے۔

"تو پھر ہم یہاں ناحق آئے—"

"تو پھر چلو—سامان یہیں رہنے دیتے ہیں۔"

"ہم نے مکان سامان سمیت مالک کے حوالے کر دیا—
وہ خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ اس کے بعد ہم سب ایک بار پھر
جنّ کی ہتھیلی پر کھڑے ہو گئے—جب ہم نے اس کے بال پکڑ
لیے تو اس نے اڑنا شروع کر دیا۔ اچانک ابّو کو خیال آیا۔

"مسٹر جنّ—مجھے کاروں کی ایجنسی کے پاس ڈراپ کر دینا۔"

جنّ نے اُن کا جملہ نہیں سُنا کیونکہ اس کا تو ایک کان ہمیشہ
ہمیشہ کے لیے خراب ہو چکا تھا—اس لیے میں نے ابّو کا جملہ
دہرایا۔

"ابّو کو کاروں کی ایجنسی کے سامنے ڈراپ کر دینا۔"

"جی اچھا۔"

"جب تم ڈراپ کرنے لگو گے تو کیا بازار میں لوگ ہمیں
دیکھ رہے ہوں گے۔" میں نے پوچھا۔

"نہیں—جب تک آپ لوگ میری ہتھیلی پر موجود ہیں
آپ کسی کو بھی نظر نہیں آ سکتے۔"

"بس ٹھیک ہے۔"

جنّ نے ابّو کو کاروں کی ایجنسی کے پاس اتار دیا—اور ہمیں
کوٹھی میں لے آیا۔ اس کے بعد میں نے جنّ کو چھٹی دے دی۔
ابّو کار لے کر آئے تو ہم سب نے خوب جی بھر کے کار کی سیر
کی—پھر رات کے وقت شہر کے سینماؤں میں چلنے والی مختلف
فلمیں دیکھتے رہے—کبھی کوئی فلم لگاتے کبھی کوئی—ایک بار
جو بٹن گھمایا تو سکرین پر مظہر شاہ بڑھکیں لگا رہا تھا۔ ہم ڈر گئے
اور فوراً بٹن گھما دیا—اس مرتبہ ہیرو محمد علی ایک عدالت
کے کٹہرے میں کھڑا بلند آواز میں مکالمے بول رہا تھا۔
غرض رات گئے تک ہم یہی کچھ کرتے رہے—دوسرے

دن کے اخبارات پڑھنے پر معلوم ہوا کہ ان میں دوسرے شہر کے
اینٹوں کے کئی بھٹوں سے اینٹیں چرانے کی خبر شائع ہوئی تھی۔ اخبار
میں اس بات پر حیرت کا اظہار کیا گیا تھا کہ بھٹوں پر چوکیداروں
کا انتظام ہونے کے باوجود لاکھوں کی تعداد میں اینٹیں غائب کیسے
ہو گئیں — ایک اخبار میں خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ شاید رات
کے وقت شہر میں کوئی زلزلہ آیا ہو گا اور زمین پھٹ گئی ہو گی
— جس کی وجہ سے اینٹیں زمین میں دھنس گئیں — ایک اخبار
والوں کا خیال تھا کہ ہو سکتا ہے چوکیداروں کی نیت خراب
ہو گئی ہو اور انہوں نے راتوں رات اینٹیں فروخت کر دی ہوں
— جب لوگوں نے یہ خبریں پڑھیں تو ہر طرف اسی بات کا
چرچا ہونے لگا — ہم نے جن کی ہتھیلی پر بیٹھ کر سارے شہر کی
سیر کی — ہر طرف اینٹوں کی چوری پر بحثیں ہو رہی تھیں۔

"مسٹر جن — یہ تم نے ہمیں کس مصیبت میں پھنسا دیا۔"
میں نے تنگ آ کر اس سے پوچھا۔

"آپ نے پھر مجھے مسٹر کہا۔"

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" میں نے اس کی بات
پر دھیان دیے بغیر کہا۔

"آپ نے کوٹھی بنانے کا حکم دیا تھا — میں نے بنا دی۔
اس کے لیے سامان کہیں نہ کہیں سے تو آنا ہی تھا۔"

"ہوں — اگر تمہیں اینٹیں چرانی ہی تھیں تو کسی دور دراز
کے شہر سے چراتے — اس شہر کی پولیس کو یہاں آتے کیا دیر لگے
گی۔"

"آپ پولیس سے اتنا ڈرتے کیوں ہیں۔" جن نے تیز لہجے میں
کہا۔

"تو کیا نہ ڈریں۔"

"نہیں کوئی ضرورت نہیں۔"

"اگر انہوں نے ہمیں پکڑ کر بند کر دیا تو کیا ہو گا۔"

"میرے ہوتے ہوئے وہ ایسا نہیں کر سکتے۔"

"بہر حال — اگر اب کوئی چیز لانے کی ضرورت پڑے تو
کسی دور کے شہر سے لانا — تمہیں دور جانے میں کونسی دیر
لگتی ہے — اڑ کر پہنچ جاتے ہو۔"

"جی بہتر ہے — آئندہ ایسا ہی ہو گا —"

"جانتے ہو — کل کے اخبار میں ایشیا بنک سے لاکھوں
روپے غائب ہونے کی خبر چھپی ہے۔"

"چھپی ہو گی — پھر اس سے کیا —"

"مجھے ڈر ہے — پولیس ہم تک نہ پہنچ جائے۔"

"پھر وہی پولیس — میں دیکھ لوں گا اسے۔" جن نے
غصّے سے کہا۔

"اچھا خیر — دیکھا جائے گا۔"

"شاہد بیٹے — اپنے جنّ سے مٹی کے تیل کا ایک کنستر تو منگوا دو — آج کل مل ہی نہیں رہا ہے۔" امّی بولیں۔

"امّی — کیا جنّ اب ایسے ایسے کام بھی کرے گا۔" میں نے بُرا مانتے ہوئے کہا۔

"منّا صبح جاتا ہے تو دوپہر کو تیل لے کر آتا ہے۔ جنّ منٹوں میں لے آئے گا۔"

"ہاں بھائی جان — بڑی لمبی لائن لگی ہوتی ہے — جیسے سینماؤں پر لگی ہوتی ہیں۔" منّا بھی بولا۔

"اچھا — میں کہتا ہوں — لیکن ڈر ہے کہ کہیں ناراض نہ ہو جائے۔"

"تم فضول ہی ڈرتے ہو — وہ تو تمہارا غلام ہے۔" ابّو بول اُٹھے۔

"مسٹر...... ارر...... بھائی جنّ صاحب —"

"کیا حکم ہے میرے آقا؟"

"ایک مٹی کے تیل کا کنستر چاہیے۔"

"جی بہت اچھا — ابھی حاضر کیے دیتا ہوں۔"

جنّ نے کہا اور غائب ہو گیا — پانچ منٹ بعد ہی کوٹھی کے صحن میں کنستر نظر آیا:

"اتنی دیر کیوں لگائی۔" میں نے پوچھا۔

"ڈپو پر تیل تھا ہی نہیں — اور میلوں لمبی لائن لگی ہوئی تھی جونہی تیل آیا، میں نے خود ہی ڈرم میں سے ایک کنستر بھرا اور اُٹھا لایا۔"

"تم نے کنستر کہاں سے لیا۔"

"وہاں لائن میں سینکڑوں کنستر رکھے تھے۔" جنّ نے بتایا۔

"اور جس غریب کا یہ کنستر ہو گا، وہ کیا کرے گا — سارا دن لائن میں لگا رہے گا اور پھر اسے معلوم ہو گا کہ اس کا کنستر چوری ہو گیا ہے۔" میں نے غصّے سے کہا۔

"تو پھر آپ کو چاہیے تھا، مجھے خالی کنستر دے دیتے۔"

"ٹھیک ہے — ہم تیل اپنے کنستر میں پلٹ لیتے ہیں تم اسے اسی جگہ رکھ آؤ جہاں سے اٹھایا تھا —"

"آپ چکر بہت لگواتے ہیں۔" جنّ نے جل بھن کر کہا۔

"بھئی یہ تو تمہاری اپنی غلطی ہے —"

"وہ کیسے —؟"

"کنستر لے کر کیوں نہیں گئے۔"

"اب کیا میں کوہ قاف سے کنستر لاتا جا کر۔" جنّ کو بھی غصّہ آ گیا۔

"اچھا — یہ بات ہے — منّے ذرا اندر سے ریتی لانا —"

"نن ..... نہیں .... نہیں .... معاف کر دیں ــــ مجھ سے غلطی ہو گئی ہے ــــ نہ جانے کیا ہو گیا ہے، پہلے تو کبھی چراغ کے مالک کی کسی بات پر غصّہ نہیں آیا کرتا تھا۔"

"اب ہمارے لیے بہترین قسم کے کھانے اور پھلوں کا انتظام بھی کرو ــــ لیکن پہلے کنستر واپس پہنچاؤ۔"

"جو حکم میرے آقا۔"

دوسرے دن پھر امّی نے اعلان کیا کہ مٹّی کا تیل بالکل ختم ہو گیا ہے اور یہ کہ شہر بھر میں تیل بالکل نہیں مل رہا ہے۔ لہٰذا جنّ کو بلایا جائے اور اس سے مٹّی کا تیل منگایا جائے۔

"کیا جنّ ایسے کاموں کے لیے ہی رہ گیا ہے۔" میں نے تیز لہجے میں کہا۔

"اب کیا کیا جائے ــــ تم خود جا کر تیل لے آؤ۔" امّی نے تڑخ سے جواب دیا۔

"بلاتا ہوں اسی کو ــــ" میں نے ہتھیار ڈال دیے۔ چراغ نکالا اور رگڑا ــــ

"کیا حکم ہے میرے آقا۔"

"یار! ایک کنستر مٹّی کے تیل کا چاہیے۔" میں نے دبے لہجے میں کہا۔

"تو خالی کنستر دے دیں ــــ ورنہ پھر آپ کہیں گے کہ

کنستر واپس بھی پہنچاؤ۔"

"ہاں ٹھیک ہے ــــ منّے اندر سے کنستر لا دو ــــ"

جنّ نے کنستر لیا اور چلا گیا ــــ تقریباً دو گھنٹے بعد اس کی واپسی ہوئی ــــ اس کے ہاتھ میں خالی کنستر لٹک رہا تھا ــــ کنستر صحن میں رکھنے کے بعد اس نے فرش پر ایک بوتل بھی رکھی ــــ جو آدھی بھری ہوئی تھی۔

"یہ کیا؟" میری حیرت کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔

"پورے شہر میں مٹّی کا تیل نہیں ہے ــــ سب لوگ مارے مارے پھر رہے ہیں ــــ کسی کو ایک قطرہ بھی نہیں مل رہا ہے۔"

"تو پھر ــــ تم یہ آدھی بوتل مٹّی کا تیل کیسے لے آئے۔"

"میں نے ایک ڈپو کے ڈرموں کو اُلٹ اُلٹ کر اکٹھا کیا ہے۔" اس نے جواب دیا اور ہمیں ہنسی آ گئی۔

"آپ ہنس کیوں رہے ہیں۔" جنّ نے پوچھا۔

آدھی بوتل تیل اور اتنے بڑے جنّ پر!" میں نے کہا ــــ

جنّ نے بھی بوتل کو اور اپنے طویل و عریض جسم کو دیکھا اور بے تحاشہ ہنسنے لگا ــــ اس کے قہقہوں سے پوری کوٹھی لرز اٹھی۔

اچانک کوٹھی کے دروازے کی گھنٹی بجی۔

"ارے! یہاں ہمیں کون ملنے آ گیا۔" ابو نے حیران ہو کر کہا۔

"میں دیکھتا ہوں۔" بھائی جان اٹھ کر دروازے کی طرف چلے گئے۔

"مسٹر جن — اپنے قہقہوں کو بریک لگا لو — کوئی ہمیں ملنے آیا ہے۔" میں نے کہا۔

"آپ نے پھر مسٹر کہا۔"

"اوہ — بھول گیا تھا —"

بھائی جان نے واپس آکر بتایا کہ ہماری کوٹھی کے دروازے پر لوگوں کا ایک بہت بڑا ہجوم موجود ہے جو ابّو سے ملنا چاہتا ہے۔

جنّ کی شادی

"آخر وہ لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔" ابّو نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"خدا جانے — بس کہتے ہیں، تمہارے والد سے ملنا ہے۔"

"اچھا خیر — تم ان سب کو ہال میں بٹھاؤ — اور شاہد تم جنّ کو چھٹی دے دو — تاکہ ان لوگوں سے معلوم کریں کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔" بھائی جان لوگوں کو بٹھانے کے لیے جا چکے تھے۔

"جن صاحب آپ جا سکتے ہیں — جب ضرورت ہوگی بلا لیں گے۔"

"جو حکم میرے آقا.... لیکن ...." جن کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"لیکن کیا۔"

"جی — وہ دراصل میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔" جنّ نے اٹک اٹک کر کہا۔

"ہاں ہاں — کہو کیا بات ہے۔"

"جی میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ بدھ کے دن چراغ نہ رگڑیں تو مہربانی ہوگی۔"

"وہ کیوں؟" میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"کوہ قاف میں ایک جنّ کی شادی ہے۔"

"کیا وہ تمہارا رشتے دار ہے۔" میں نے پوچھا۔

"جی نہیں — رشتے دار تو نہیں ہے۔"

"تو پھر — کیا ضرورت ہے اس کی شادی میں شرکت کرنے کی۔"

"ہمارے ہاں صرف رشتے داروں کی ہی شادیوں میں شرکت نہیں کی جاتی۔"

"تو پھر؟"

"کوہ قاف میں خواہ کسی کی بھی شادی ہو — کسی جن کی ہو — کسی دیو کی ہو یا کسی پری کی سب اس میں شرکت کرتے ہیں —"

"اچھا — کمال ہے — ہم تو صرف اپنے عزیزوں اور رشتے داروں کی شادی میں شرکت کرتے ہیں۔"

"جی — وہ در اصل ہم انسان نہیں ہیں نا — ہمارے رسم و رواج مختلف ہیں —"

"ہوں — اور اگر کوئی جنّ یا دیو مر جائے —"

"تو بھی سب شامل ہوتے ہیں —"

"اچھا ٹھیک ہے — کونسا دن بتایا تھا تم نے۔"

"بدھ کا۔"

"یہ جو پرسوں آ رہا ہے؟"

"جی ہاں!"

"بہت اچھا — میں خیال رکھوں گا — ویسے آئندہ اگر تمہیں کوئی کام ہو تو چھٹی کی درخواست لکھ کر لایا کرو۔"

"جی — چھٹی کی درخواست!" جنّ نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں —"

"لیکن مجھے تو لکھنا نہیں آتا۔"

"اوہ! — اچھا خیر — اب تم جا سکتے ہو —"

جنّ گیا ہی تھا کہ بھائی جان نے آ کر بتایا۔

"تمام لوگوں کو ہال میں بٹھا آیا ہوں۔"

"اچھا — تم لوگ بھی میرے ساتھ آؤ —" انہوں نے مجھے اور بھائی جان کو کہا۔

ہم تینوں ہال میں داخل ہوئے تو تمام لوگ ادب سے کھڑے ہو گئے —

"آپ لوگ کون ہیں — اور مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔" ابو نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا — ہم بھی ان کے دائیں بائیں بیٹھ گئے —

"ہم یہاں سے کچھ دُور دیہات میں رہتے ہیں۔" ایک بوڑھا

آدمی بولا۔

"اچھا تو پھر"

"ہم سب کے سب تیسرے چوتھے دن شہر، چیزیں خریدنے کے لیے یہاں سے گزرتے ہیں — یہ ہمارا سالوں کا معمول ہے — آج سے چار دن پہلے بھی ہم گزرے تھے تو اس جگہ کوئی مکان نہیں تھا — اور اب یہ عظیم الشان کوٹھی نظر آ رہی ہے — کہیں ہم کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہے ہیں —"

"نہیں — آپ خواب نہیں دیکھ رہے ہیں — یہ حقیقت ہے۔"

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک دو دن کے اندر اتنی بڑی کوٹھی تیار ہو جائے۔"

"لیکن ایسا ہو چکا ہے۔" ابو بولے۔

"وہی تو ہم معلوم کرنے آئے ہیں — آخر یہ کیسے ہوا —"

ہم تینوں نے ایک دوسرے کی طرف اس طرح دیکھا، جیسے ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں، اب ان لوگوں کو کیا جواب دیں۔ آخر ابو نے کہا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ میرا چھوٹا بیٹا دن رات عبادت کرتا رہتا ہے — یہ ولی ہو گیا ہے — جو اس کے منہ سے نکل جائے ہو جاتا ہے —"

"تب پھر ہماری مرادیں بھی پوری کرا دیں —" کئی آوازیں ابھریں۔

"میں دنیا اور دنیا کے دھندوں سے الگ تھلگ رہتا ہوں۔" میں نے گھبرا کر کہا۔

"یا حضرت — میرے ظالم چچا نے میری زمینیں اور گھر بار سب کچھ چھین لیا ہے — میرا حق مجھے واپس دلا دیں۔"

"تمہارا نام کیا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"کریم الدین۔"

"ٹھیک ہے — تمہارا کام ہو جائے گا — چچا کا نام بتاؤ۔"

"ظہور دین۔"

"اب تم لوگ جاؤ —"

"یا حضرت — ہماری بھی کچھ مشکلات ہیں —"

"میں ایک دن میں صرف ایک آدمی کی مراد پوری کرتا ہوں۔ اب کل تم میں سے ایک آدمی آ کر اپنی ضرورت بیان کر سکتا ہے۔"

"جی بہت بہتر۔" وہ سب خوش ہو گئے اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"حضور! میرا کام کب تک ہو جائے گا۔" کریم الدین نے دروازے میں مڑتے ہوئے پوچھا۔

"تم کب تک چاہتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"جس قدر جلد ہو جائے، اچھا ہے۔"

"بس تو — تمہاری توقع سے بھی جلد ہو جائے گا۔"

"شکریہ جناب —"

ان کے گھر سے باہر نکلتے ہی میں اپنے کمرے میں آیا — اور جلدی سے چراغ رگڑا — جن فوراً حاضر ہو گیا۔

"کیا حکم ہے میرے آقا — ابھی ابھی تو میں یہاں سے گیا ہوں — پھر اتنی جلدی کیا کام پڑ گیا۔"

"یہاں سے قریب ہی ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، اس گاؤں میں ایک شخص ظہور دین نامی رہتا ہے، اس نے اپنے بھتیجے کی زمین اور جائداد پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے — بھتیجے کا نام کریم الدین ہے — میں چاہتا ہوں، ظہور دین اس کا حق اسے لوٹا دے۔"

"آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں۔" جن نے پوچھا۔

"کیوں — کیا تم نہیں چاہتے کہ حق دار کو اس کا حق مل جائے۔" میں نے بھی الٹا سوال کیا۔

"کون ایسا نہیں چاہتا — میں تو صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کو اس سے کیا دلچسپی ہے۔"

"ہے بس — جو کہا ہے کرو — بلکہ ایسا کرو کہ ظہور دین کو

اٹھا کر یہاں لے آؤ۔"

"جی بہت بہتر۔" جن نے کہا اور غائب ہو گیا۔ پانچ منٹ بعد ہی وہ آسمان پر سے نیچے اترتا نظر آیا، اس کے ایک ہاتھ میں کوئی شخص لٹک رہا تھا:

"یہ ضرور ظہور دین ہو گا۔" میرے منہ سے نکلا — عین اسی وقت ظہور دین فرش پر کھڑا تھا۔ اس کا رنگ فق تھا — تھر تھر کانپ رہا تھا۔

"کیوں — تم نے اپنے بھتیجے کی زمین اور جائداد ضبط کر رکھی ہے۔"

"جی.... جی.... نہیں تو —"

"اچھا — یہ بات غلط ہے۔ جن جی اس آدمی کے منہ سے سچ اگلواؤ —"

دوسرے ہی لمحے ظہور دین کے جسم پر تڑا تڑ لاتوں اور مکوں کی بارش ہونے لگی۔

وہ بری طرح چیخنے لگا — آخر چلایا:

"مجھے معاف کر دو — خدا کے لیے مجھے معاف کر دو — میں گناہ گار ہوں — میں ابھی جا کر کریم الدین کو اس کی چیزیں لوٹائے دیتا ہوں۔"

"بس کرو — چھوڑ دو اسے — اور اٹھا کر وہیں پہنچا آؤ،"

جہاں سے لائے تھے۔" میں نے جن سے کہا۔

دوسرے ہی لمحے جن اور ظہور دین ہماری نظروں سے دُور ہو گئے۔ اگلی صبح کریم الدین دوڑتا ہوا کوٹھی کے دروازے پر آیا، اس کے پیچھے بہت سے آدمی تھے ــــ جونہی میں دروازے پر آیا، کریم الدین میرے قدموں میں گر پڑا ــــ اس کے ساتھ ہی دوسرے لوگ بھی گر گئے ــــ کچھ میری ٹانگوں سے چمٹ گئے۔

"ارے ارے ــــ کیوں مجھے گناہ گار کرتے ہو ــــ تم لوگوں کو آخر ہوا کیا ہے۔"

"آپ بہت پہنچے ہوئے ہیں ــــ مجھے میرے چچا نے میری تمام چیزیں لوٹا دی ہیں ــــ"

"چلو اچھا ہوا۔" میں نے اطمینان کا سانس لیا۔

"حضرت میرے گھر اولاد نہیں ہوتی ــــ میرا کام کر دیں۔ خدا سے دعا کریں، میرے گھر اولاد ہو جائے۔"

"اچھا ــــ ہم دعا کریں گے۔" میں نے گھبرا کر کہا کیونکہ یہ کام جن کے بس سے باہر تھا۔

"حضرت ــــ میری گائے چوری ہو گئی ہے ــــ غریب آدمی ہوں ــــ اس کا دُودھ بیچ کر گزارا کرتا تھا ــــ اب بھوکوں مر رہا ہوں ــــ مجھ پر رحم کریں ــــ اور میری گائے مجھے چوروں سے واپس دلا دیں۔"

"کیا نام ہے تمہارا۔" میں نے پوچھا۔

"جی بشیرا۔"

"گائے کی نشانی بتاؤ۔"

"اس کا ایک سینگ ٹوٹا ہوا ہے۔"

"ٹھیک ہے ــــ مل جائے گی تمہاری گائے ــــ اب تم سب لوگ جاؤ ــــ"

انہوں نے بلا چون و چرا تعمیل کی اور وہاں سے چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی میں نے پھر چراغ کو رگڑا ــــ جن کی آواز آئی:

"کیا حکم ہے میرے آقا ــــ"

"ایک شخص بشیرا کی گائے چوری ہو گئی ہے اس کا ایک سینگ ٹوٹا ہوا ہے ــــ گائے ڈھونڈ کر اسے پہنچا دو۔"

"بس ــــ اتنا سا کام۔" جن نے لاپروائی سے کہا۔

"ہاں ــــ"

"بہت اچھا ــــ اور وہ آپ کو یاد ہے نا۔" جن بولا۔

"کیا یاد ہے ــــ کیا کہہ رہے ہو تم۔"

"کل بدھ ہے۔"

"اوہ ــــ ہاں ــــ مجھے یاد ہے ــــ کل تمہیں شادی اٹینڈ کرنی ہے ــــ جن کی شادی ــــ یہی بات ہے نا۔"

"ہاں۔"

"بھائی جان۔" منّا اچانک بولا۔

"کیا بات ہے منّے۔"

"میں کوہ قاف دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"ارے واہ — بہت خوب — کمال ہے، یہ خیال ہمیں کیوں نہ آیا — کوہ قاف تو میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔" ابّو اچھل پڑے۔

"اور میں بھی۔" باجی بے تابی سے بولیں۔

"تو ٹھیک ہے — ہم سبھی چلتے ہیں —" میں نے کہا پھر جنّ سے مخاطب ہوا:

"مس ..... ارر ..... بھائی جان جنّ صاحب — ہم سب کوہ قاف کی سیر کرنا چاہتے ہیں۔"

"میری ہتھیلی پر بیٹھ جائیے۔"

"اور وہ گائے۔"

"اب ایک وقت میں تو ایک ہی کام ہو سکتا ہے۔" جنّ نے ناراض ہو کر کہا "یا پہلے کوہ قاف کی سیر کر لیں یا گائے تلاش کرا لیں۔"

"میرا خیال ہے کہ پہلے ہم کوہ قاف کی سیر کر لیں۔" منّا بولا۔

"اچھا یونہی سہی —" میں نے کہا — "ہم پہلے سیر کریں گے۔"

"تو آئیے۔" جنّ نے ہتھیلی فرش پر ٹکا دی — اور ہم اس پر چڑھ گئے — ساتھ ہی ہم نے اس کے موٹے موٹے بال مضبوطی سے پکڑ لیے —

جنّ اوپر اُٹھنے لگا — نیچے کی چیزیں چھوٹی ہونے لگیں — سورج کافی اوپر آچکا تھا — تھوڑی دیر بعد جنّ نے مزید اوپر اٹھنا بند کر دیا — اب وہ بادلوں میں تیر رہا تھا — ایک بار جو باجی کی نظر نیچے پڑی تو وہ خوف سے کانپ اُٹھیں:

"اُف خدا — اتنی اونچائی پر ہیں ہم۔"

"ذرا دھیان سے کھڑی ہونا — کہیں گر نہ پڑنا —" ابّو بولے۔

"بالوں کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔" میں نے کہا۔

"خدانخواستہ بال ٹوٹ جائیں — تو —" بھائی جان بولے۔

"تو ہڈیاں سُرمہ بن جائیں ہماری۔"

"بھیّا جنّ — تمہارے بال تو مضبوط ہیں نا۔" میں نے منہ کھولا تو مجھے یوں لگا جیسے بادل میرے منہ میں گھسے جا رہے ہوں۔

"فکر نہ کریں — یہ بہت مضبوط ہیں — آپ چاہیں تو انہیں پکڑ کر جھول بھی سکتے ہیں۔"

"نہیں — تمہیں تکلیف ہو گی۔" میں نے کہا۔

"ہرگز نہیں ——— البتہ آپ کو ڈر ضرور لگے گا۔"

"ہاں ——— ہم تو ہتھیلی پر کھڑے ہوئے بھی گھبرا رہے ہیں۔"

"گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ——— دیکھیے ——— وہ رہا کوہ قاف ——— اب میں نیچے اُتر رہا ہوں۔"

ہم نے نیچے دیکھا ——— یہ بلند و بالا پہاڑوں میں گھری ایک بستی تھی۔ جس میں بہت اونچے اور بڑے بڑے مکان تھے۔ تمام مکان سیاہ رنگ کے تھے ——— ہم لمحہ بہ لمحہ بستی کے نزدیک ہوتے جا رہے تھے۔

کوہ قاف کی سیر

زمین پر اترنے سے پہلے ہم نے ایک پہاڑ سے آبشار گرتے دیکھا۔ اس آبشار کے نیچے ستر اسی کے قریب جن نہا رہے تھے:

"یہ اتنے جن کیوں نہا رہے ہیں۔" میں نے پوچھا۔

"کل شادی ہے نا ——— اسی کی تیاری کر رہے ہیں۔"

"تو انہیں کل ہی نہانا چاہیے تھا۔" میں نے کہا۔

"ہم ہر روز نہیں نہاتے ——— صرف کسی کی شادی کے موقع پر نہاتے ہیں۔"

"ارے! خواہ کوئی شادی سال بعد آئے۔"

"ہاں ——— چاہے پانچ سال بعد آئے۔"

"اُف توبہ ——— تب تو جن بہت گندے ہیں۔"

"آپ جو جی چاہے کہیں ——— لیکن ہمارا طریقہ یہی ہے۔"

"لیکن تم تو تین ہزار سال تک سوئے پڑے رہے تھے اس دوران تمہیں آکر کسی نے نہیں جگایا۔"

"نہیں ——— چونکہ میں ان سب کا بادشاہ ہوں ——— اس لیے سونے سے پہلے میں نے انہیں منع کر دیا تھا۔"

"ہوں۔"

جونہی جن کے پاؤں زمین سے لگے۔ ہزاروں چیخیں بلند ہوئیں:

"آدم بو — آدم بو۔"

"خاموش —" ہمارے جن نے گرج دار آواز میں کہا — یہ ہمارے مہمان ہیں .... میں آج کل انہی کا غلام ہوں۔"

سب جن اس طرح خاموش ہو گئے جیسے انہیں سانپ سونگھ گیا ہو — ان میں سے اکثر سیاہ رنگ کے تھے، کچھ سفید اور زرد بھی تھے — چند ایک جن نیلے رنگ کے بھی تھے۔

"لیکن یہاں پریاں تو کہیں بھی نظر نہیں آ رہی ہیں۔"

"یہ صرف جنوں کی بستی ہے — کوہ قاف کے دوسرے حصے میں دیو رہتے ہیں اور تیسرے حصے میں پری زاد۔"

"تو پھر آپ ہمیں پریوں کے علاقے میں لے چلیں — ہم پریاں دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"اچھا — آئیے پیدل ہی چلتے ہیں۔" جن نے کہا۔

"زیادہ دُور تو نہیں ہے۔"

"نہیں — صرف آٹھ نو میل دُور ہے۔"

"ارے اتنا فاصلہ ہم پیدل کیسے طے کریں گے۔"

"اوہ — میں تو بھول ہی گیا — کہ یہ فاصلہ آپ لوگوں کے لیے زیادہ ہے — آئیے میری ہتھیلی پر۔"

ہم پریوں کی سرزمین پر اترنے لگے تو عجیب دل خوش کن نظارہ دیکھا۔ بہت سی پریاں ادھر اُدھر اڑتی پھر رہی تھیں — کچھ ایک جگہ جمع ہو کر بناؤ سنگھار کر رہی تھیں۔

"ارے! یہ تو میک اپ کر رہی ہیں۔" مُنّے کے منہ سے نکلا۔

"ہاں — یہ بھی شادی کی تیاریاں کر رہی ہوں گی۔" میں نے کہا۔

"ہاں! آپ ٹھیک سمجھے۔" جن بولا۔

"لیکن ایک دن پہلے میک اپ — کل تک تو خراب نہیں ہو جائے گا۔" مُنّے نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ پریوں کا میک اپ ہے کوئی عورتوں کا نہیں۔" میں نے کہا۔

ہم زمین پر اُترے تو ان میں سراسیمگی پھیل گئی۔ کئی ایک تو خوف کے مارے دبک گئیں وہ ہم سے نہیں ہمارے جن سے خوفزدہ تھیں۔

"یہ ڈر کیوں رہی ہیں۔"

"میں ان کا حاکم جو ٹھہرا —" جن نے کہا۔ پھر پریوں سے مخاطب ہوا۔

"ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں — یہ ہمارے مہمان ہیں

—اور میں آج کل ان کا غلام ہوں۔"

پریاں یہ سُن کر مسکرا اُٹھیں۔ وہ بہت خوبصورت تھیں
—ہم نے اپنی سرزمین پر عورتوں کو اتنا حسین نہیں پایا
تھا۔ ان کے چہروں پر نظریں نہیں ٹک رہی تھیں۔ پریاں
رنگ برنگی تھیں۔ سُرخ، سبز، نیلی، پیلی، جامنی، سیاہ، اودی
غرض ہر رنگ کی پری وہاں موجود تھی۔

"جن بھیا — کیا میں ان میں سے کسی پری سے شادی
کر سکتا ہوں۔" منّے نے کہا۔ میں نے اس کا سوال جن کے
اکلوتے کان تک پہنچایا۔

"جی نہیں — پریاں صرف پری زاد سے شادی کر سکتی
ہیں۔ یہ تو جنوں اور دیووں سے بھی شادی نہیں کر سکتیں۔"

"اور اگر کوئی جن یا دیو کسی پری کو اٹھا لے جائے، اور
اس سے شادی کر لے۔"

"تو پھر اس کی سزا موت ہے — اسے بستی کے بیچوں بیچ
ایک اونچے چبوترے پر پھانسی دی جاتی ہے۔"

"بہت خوب آپ کے ملک کے قانون تو بہت اچھے
ہیں۔ کیا بھوت صاحبان آپ کے ساتھ نہیں رہتے۔" میں
نے پوچھا۔

"نہیں — بھوت ہماری برادری سے باہر ہیں — ان کا ہم

سے کوئی تعلق نہیں۔"

"وہ کہاں رہتے ہیں۔"

"وہ کوہ قاف میں نہیں رہتے — نہ ہی ان کی کوئی علیحدہ
بستی ہے — بس کوئی یہاں کوئی وہاں رہتا ہے۔"

"بھوت طاقت ور ہوتا ہے یا جن دیو۔" میں نے سوال کیا۔

"جن سب سے زیادہ طاقت ور ہوتے ہیں — اس کے
بعد دیو کا نمبر آتا ہے — پھر پریوں کا — اور پریوں کے بعد
بھوتوں کا —"

"ارے تو کیا پریاں بھوتوں سے طاقت ور ہیں۔"

"ہاں — آپ پریوں کو کیا سمجھتے ہیں — دیکھنے میں نازک
معلوم ہوتی ہیں لیکن درحقیقت ان میں بے پناہ طاقت ہے"

"بھئی واہ — یہ سُن کر خوشی ہوئی — کہ پریاں بھوتوں
سے طاقت ور ہوتی ہیں۔" منّے نے چہک کر کہا۔

ہم نے دیکھا کہ پریوں کے گھر جنوں کے گھروں سے بہت
چھوٹے تھے۔

"اب کیا میں کسی پری سے بات کر سکتا ہوں۔" منّے نے
پوچھا۔

"ہاں ہاں! ضرور پریاں تمہاری ہر بات کا جواب ضرور
دیں گی۔" جن نے کہا۔

منا اپنی جگہ سے آگے بڑھا اور میک اپ کرتی ہوئی ایک
سُرخ رنگ کی پری سے مخاطب ہوا۔

"ہیلو —— مس پری!"

"ننھے لڑکے —— میں سمجھی نہیں —— تم نے کیا کہا" پری نے
اس کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

"کیا تم مجھے اپنے پروں پر بٹھا کر اُڑ سکتی ہو"

"کیوں نہیں ——"

"اچھا یہ بتاؤ —— تم لوگ کھاتے کیا ہو"

"گوشت"

"کیا انسانوں کا" منے نے پوچھا۔

"ارے نہیں —— گائے بھینس اور بکری کا۔"

"لیکن گوشت تم کہاں سے حاصل کرتے ہو"

"شکار کرتے ہیں"

"کیا تمہاری شادی ہو چکی ہے" منے نے مزے دار سوال
کیا۔

"ہاں —— میرے منے بھیا —— ہو چکی ہے۔" پری نے
جواب دیا۔

"بہت خوب —— کیا تمہارے کوئی بچہ بھی ہے۔"

"ہاں —— ایک ہے۔"

"ارے! میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں"

"ابھی لائی ——" پری یہ کہہ کر دوڑتی ہوئی ایک گھر میں گھس
گئی۔ یہ تمام گھر پرانی وضع کے تھے۔ جلد ہی وہ ایک ننھے
منے پری زاد کو اٹھائے وہاں آئی۔ منے نے پری کے بچے کو اپنے
ہاتھوں میں لے کر دیکھا —— وہ بہت خوبصورت تھا۔ مسکرا
رہا تھا اور ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا۔ اس کے دونوں بازوؤں
کے ساتھ پروں کے آثار مجھے نظر آ رہے تھے۔ یہ سبز رنگ
کی دھاریاں سی تھیں۔ منا اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا:

"اچھی پری کیا تم یہ بچہ مجھے دے سکتی ہو" اس نے پوچھا۔

"ننھے بھیا —— بھلا کوئی ماں اپنے بچے کو بھی دے سکتی
ہے۔"

"ہم تمہیں اس بچے کے بدلے لاکھوں روپے دے سکتے ہیں"
منے نے بغیر سوچے سمجھے کہا۔

"ہم اپنے بچوں کو بیچتے نہیں۔" پری نے بُرا مان کر کہا۔

"بُرا نہ مانو —— میں تو تمہارا امتحان لے رہا تھا۔"

"اچھا!" پری خوش ہو گئی۔

"آؤ منے اب چلیں —— پری بہن کو زیادہ پریشان نہ کرو"
میں نے کہا۔

"نہیں نہیں —— یہ تو بڑا اچھا بچہ ہے —— میں اس کی

باتوں سے پریشان تو نہیں ہو رہی ہوں۔"

"پھر بھی — ہمیں بہت دیر ہو گئی ہے — ابھی دیووں کی بستی بھی دیکھنی ہے۔"

"ہاں! چلیے بھیا۔" منّا پری کے پاس سے چلا آیا۔

اب پھر ہم جنّ کی ہتھیلی پر سوار ہوئے — جلد ہی دیووں کے علاقے میں اُترے:

جونہی جنّ کے پاؤں فرش سے لگے، تمام دیو چلّا اُٹھے:

"مانس گند — مانس گند۔"

"خاموش رہو — یہ ہمارے مہمان ہیں اور میں آج کل انہی کا غلام ہوں۔"

سب خاموش ہو گئے — یہ سب کے سب اتنے بدصورت اور بھیانک تھے کہ ان کے چہروں پر نظر پڑتے ہی بدن میں کپکپی دوڑ جاتی تھی۔

"یہ بہت خوف ناک ہیں بھائی جان — یہاں سے چلیے!"

"گھبراؤ نہیں — یہ ہمیں کچھ نہیں کہیں گے۔" میں نے اسے دلاسا دیا۔

سب کے سب دیو کالے رنگ کے تھے۔ ان میں سے بعض ایک آنکھ والے بھی تھے — ایک آنکھ ان کے ماتھے پر بے حد خوف ناک لگتی تھی۔ ان کے دانت بہت لمبے لمبے اور نوکیلے تھے

ہونٹ بہت موٹے اور بھدّے تھے۔

"میرا تو یہاں جی گھبرا رہا ہے — چلیے بھائی جان۔" منّا پھر بولا۔

"اچھا چلو۔"

واپسی کا سفر شروع ہوا — کوٹھی پہنچ کر ہمیں سب سے پہلے بشیرا کی سینگ ٹوٹی گائے کا خیال آیا:

"اب سب سے پہلے تمہیں گائے تلاش کرنی ہے۔"

"جی ہاں — مجھے یاد ہے۔"

"تو ٹھیک — جاؤ — اسے تلاش کرو — اگر چور ملے تو اسے بھی دو چار لگا دینا۔"

"جی اچھا — اب آپ بھی یاد رکھیے گا کہ کل کسی صورت بھی چراغ نہ رگڑیے گا — کل شادی ہے —" جنّ نے یاد کرایا۔

"ہاں ہاں! مجھے یاد ہے — تم فکر نہ کرو۔"

"اچھا میں چلا۔"

اگلی صبح ہم ابھی سو کر بھی نہیں اُٹھے تھے کہ کوٹھی کا دروازہ دھڑ دھڑایا جانے لگا۔ ہم ہڑبڑا کر اُٹھے:

"یہ ضرور گاؤں والے ہوں گے — بشیرا کی گائے مل گئی ہو گی نا — اس لیے دوڑے آئے ہوں گے — بے وقوف کہیں کے — سونے بھی نہیں دیتے۔" ابّو نے غصّے سے کہا۔

"میں دیکھتا ہوں۔" بھائی جان بستر سے نکلتے ہوئے بولے۔

پھر کمرے سے باہر چلے گئے۔ واپس آئے تو ان کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"کیا ہوا — خیر تو ہے۔" ہم سب گھبرا گئے۔

"دروازے پر پولیس موجود ہے۔" بھائی جان کے منہ سے نکلا۔

سب گرفتار

"پولیس!" ابو نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"ہاں پولیس کے کئی آفیسر باہر موجود ہیں۔"

"مگر پولیس کا یہاں کیا کام۔"

"خدا جانے۔"

"تو تم نے انہیں ڈرائنگ روم میں کیوں نہیں بٹھایا۔"

"وہ آپ کو بلا رہے ہیں۔"

"بھلے آدمی — انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ اور کہو کہ میں کپڑے بدل کر آ رہا ہوں۔"

"جی اچھا۔" بھائی جان پھر کمرے سے نکل گئے۔

"اب کیا ہوگا۔" امی بولیں۔ ان کا رنگ فق تھا۔

"فکر نہ کریں — کچھ معلوم تو ہو بات کیا ہے۔"

"میں دیکھتا ہوں جا کر۔" ابو اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔" میں نے کہا۔

"اچھا — تم بھی آؤ۔"

ہم ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے — کمرے میں پولیس کے

چھ آفیسر موجود تھے۔

"آپ کا نام امتیاز احمد ہے۔" ایک آفیسر نے ابوّ سے پوچھا۔

"جی ہاں!"

"آپ نے حال میں ہی کوئی کار خریدی ہے۔" اس نے پوچھا

"جی ہاں!"

"اس کا نمبر کیا ہے؟"

"جی ـــ ۱۷۷۴ ـــ"

"یہ آپ نے ملک موٹرز کے ہاں سے خریدی ہے نا۔"

"جی ہاں ـــ آخر بات کیا ہے ـــ"

"آپ نے کار کی قیمت نقد ادا کی تھی۔" آفیسر نے ابوّ کے سوال کی طرف دھیان دیے بغیر کہا۔

"جی ہاں۔ آپ بات بھی تو بتائیں۔" ابوّ نے پریشان ہو کر کہا۔

"ملک موٹرز نے دو دن بعد بینک میں آپ کے دیے ہوئے نوٹ جمع کرائے تو نوٹ چیک کیے گئے ـــ یہ نوٹ دوسرے شہر کے بینک سے اڑائے گئے ہیں ـــ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ نوٹ آپ کو کیسے ملے؟"

"جی؟...." ابو کوئی جواب نہ دے سکے۔

"کیا آپ نے نوٹ بینک سے چرائے تھے۔"

"جی ـــ جی نہیں ـــ میں نے نہیں چرائے تھے۔"

"تو پھر ـــ کس نے چرائے تھے؟"

"مجھے کیا معلوم ـــ"

"آپ کو کس سے ملے؟"

"میں آپ کے اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔"

"تب پھر میں آپ کو حراست میں لیتا ہوں ـــ حوالدار انہیں ہتھکڑیاں لگا دو ـــ اور تم دونوں کوٹھی کی تلاشی لو۔" اس نے دو سب انسپکٹروں سے کہا۔

"جی بہتر۔" دوسرے ہی لمحے ابوّ کے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگ چکی تھی۔

"آپ کیا کام کرتے ہیں۔"

"جی!" ابوّ اس سوال کا بھی کوئی جواب نہ دے سکے۔

"کیا آپ کسی دفتر میں ملازم ہیں؟"

"جی ـــ جی ہاں۔" ابوّ جلدی سے بولے۔

"کون سے دفتر میں ملازم ہیں۔" آفیسر نے پوچھا۔

ابوّ نے اپنے دفتر کا نام بتا دیا۔

"یہ کوٹھی آپ نے کب تیار کرائی۔"

"ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا۔"

"ہوں۔"

سب انسپکٹر کمرے میں داخل ہوئے — ان کے ہاتھوں میں نوٹوں کی بے شمار گڈیاں تھیں۔ یہ نوٹ باقی بچ گئے تھے۔

"یہ نوٹ ملے ہیں۔" ایک سب انسپکٹر نے کہا۔

"بہت خوب — ذرا دیکھوں تو۔" آفیسر نوٹوں کی گڈیوں کو دیکھتا رہا — پھر سر اٹھا کر بولا:۔

"بہت خوب — یہ نوٹ بھی اسی بینک کے ہیں — جرم ثابت ہو گیا ہے — آپ تو بہت بڑے چور نکلے...... حیرت ہے کہ یہ آپ نے کیسے اڑائے۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے —

ابو نے گھبرا کر میری طرف دیکھا — وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں کہہ رہے تھے۔

"جاؤ — جلدی سے چراغ رگڑو —"

"آج بدھ ہے۔" میں دھیمے لہجے میں کہا۔

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

پولیس والے ابو کو لے کر کوٹھی سے باہر نکل گئے — امی دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔ باجی بھی رو پڑیں۔

"گھبرائیے نہیں — سب ٹھیک ہو جائے گا۔" میں نے کہا۔

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا۔"

"میری وجہ سے۔" میں نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! نہ تم کباڑیے کی دکان سے یہ منحوس چراغ خرید کر لاتے نہ ہمیں یہ دن دیکھنا پڑتا۔"

"تو آخر ہو کیا گیا ہے — ابھی چراغ سے کام تو سب کی مرضی سے ہی لیا گیا ہے — نہ بنواتے کوٹھی۔ نہ خریدتے کار۔"

"میں کہتی ہوں — تم اس چراغ کو کیوں نہیں رگڑتے — چراغ کا جن فوراً تمہارے ابو کو چھڑا لائے گا۔"

"امی جان آج چراغ نہیں رگڑا جا سکتا۔"

"کیوں؟"

"بھول گئیں — آج بدھ ہے — جن کی شادی ہے۔ ہمارا جن وہاں مصروف ہے — اس نے ہمیں پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ بدھ کو اس کی چھٹی ہے — چراغ کو نہ رگڑا جائے۔"

"لیکن کسے معلوم تھا کہ ہم پر مصیبت نازل ہو گی۔"

"اب کیا کیا جا سکتا ہے — ایک دن انتظار کرنا ہی ہوگا۔"

"تم رگڑو تو سہی — چراغ رگڑنے پر اسے آنا تو پڑے گا ہی۔"

"مگر وہ ناراض ہو گا اور کہیں کام خراب نہ ہو جائے۔"

"تو کیا ایک دن انہیں جیل میں ہی رہنا ہو گا۔"

"مجبوری ہے امی —— مجبوری ہے۔"
وہ سسک اٹھیں۔
"اس سے تو ہم اس چھوٹے سے مکان میں ہی اچھے تھے
—روکھی سوکھی کھاتے تھے لیکن بے فکر تو تھے —— ان حالات
کا شکار تو نہیں تھے۔"
"اب رونے دھونے کا کیا فائدہ —— جب ہم نے جنّ سے
کام لینا شروع کیا تھا، اس وقت تو آپ نے کوئی اعتراض
نہیں کیا تھا۔" بھائی جان بولے۔
"میری عقل پہ پتھر پڑ گئے تھے —— میری مت ماری گئی
تھی۔" وہ بولیں۔
"پتھر تو ہم سب کی ہی عقل پہ پڑ گئے تھے۔ بھلا اس
بیسویں صدی میں الہ دین کے چراغ سے کام لیا جا سکتا ہے۔
وہ اور زمانے تھے جب یہ کارگر ثابت ہوتا ہوگا۔"
"اچھا امی —— اب ان باتوں سے کیا حاصل —— اب تو یہ
سوچیے کہ کیا ہوگا —— ہمیں کیا کرنا چاہیے۔"
"تمہارے ابو تو مجرم ثابت ہو گئے ہیں —— جنّ انہیں چھڑا
بھی لائے گا تو کیا پولیس ہمارا پیچھا چھوڑ دے گی —— وہ پھر
آئے گی۔ پھر ابو کو گرفتار کر لیا جائے گا —— جنّ پھر انہیں
چھڑا لائے گا —— وہ پھر انہیں پکڑ لے جائے گی —— تو کیا یہ

چکر یونہی چلتا رہے گا ——"
"نہیں —— اس کے متعلق اب کچھ نہ کچھ سوچنا ہی ہوگا۔
لیکن کل سے پہلے کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا۔" میں نے کہا۔
"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔" بھائی جان بولے۔
وہ رات ہم نے رو دھو کر اور کبھی سو کر کبھی جاگ کر
کاٹی —— صبح ہوتے ہی میں نے چراغ کو رگڑا۔
"کیا حکم ہے میرے آقا۔" جنّ کی آواز آئی۔
"تمہارا سر!" میں نے غصّے سے کہا۔
"یہ کیسا حکم ہے میرے آقا۔"
"تمہیں بھی چھٹی لینے کے لیے کل کا ہی دن ملا تھا۔" میں
نے کہا۔
"کیوں —— کیا ہوا ——"
"بیڑہ غرق ہو گیا۔" میرے منہ سے نکلا۔
"کس کا۔" جنّ نے بے ساختہ پوچھا۔
"ہمارا —— اور کس کا۔"
"آخر ہوا کیا —— آپ صاف صاف کیوں نہیں بتاتے۔"
جنّ نے بھی جھلا کر کہا۔
"پولیس ابو کو پکڑ کر لے گئی۔"
"ارے!" جنّ کے منہ سے نکلا۔

"ہاں — یہ کل کا واقعہ ہے — ہم نے تمہارا خیال کرتے ہوئے چراغ نہیں رگڑا۔"

"ان حالات میں تو آپ کو رگڑ ہی دینا چاہیے تھا۔"

"بس ہم نے سوچا کہ تم مصروف ہو گئے۔"

"تو آئیے — انہیں چھڑا لاتے ہیں۔"

"ہم بھی ساتھ چلیں۔" میں نے پوچھا۔

"ہاں! اگر چلنا چاہتے ہیں تو چلیں ورنہ میں خود ہی انہیں چھڑا لاتا ہوں۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔" میں نے کہا۔

"ویسے وہ منظر ہو گا دیکھنے والا۔" جنّ بولا۔

"تو پھر تو ہم سب چلتے ہیں۔"

"آئیے — میری ہتھیلی پر۔" جنّ نے ہاتھ فرش پر لٹکاتے ہوئے کہا۔

ہم جنّ پر سوار ہو کر جیل کی طرف روانہ ہو گئے — وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ابوّ ابھی حوالات میں ہیں — ہم تھانے پہنچے حوالات کے دروازے کے سامنے ایک سپاہی رائفل لیے کھڑا تھا جس پر سنگین لگی ہوئی تھی۔

"اب میرا کمال دیکھنا۔" جنّ نے کہا۔

ہم جنّ کی ہتھیلی پر ہی رہے — اس نے دوسرے ہاتھ سے

لوہے کے بھاری تالے کو پکڑا، اسے ہلکا سا جھٹکا دیا — تالا کھل گیا — پھر اس نے دروازہ بھی کھول دیا — سپاہی نے آپ ہی آپ تالا کھلتے اور دروازہ کھلتے دیکھا تو اس کی آنکھیں پھٹی پھٹی رہ گئیں — پھر اس کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا — اس کی چیخ کی آواز سن کر تھانے دار اور دوسرے پولیس افسر چونک اٹھے انہوں نے اسے گرتے بھی دیکھا — وہ حوالات کی طرف دوڑے — اسی وقت جنّ نے ابوّ کو دوسرے ہاتھ سے کمر سے پکڑ کر اٹھایا اور ہتھیلی پر ٹکا دیا — پولیس والے سپاہی پر جھک گئے — پھر انہوں نے کھلے دروازے کو دیکھا تو حیران رہ گئے۔

"ارے! وہ بینک چور کہاں گیا۔" تھانے دار کے منہ سے نکلا۔

"اور حوالات کا دروازہ کس نے کھولا۔" ایک حوالدار کے منہ سے نکلا۔

اتنی دیر میں سپاہی ہوش میں آ گیا۔

"دروازہ تم نے کھولا تھا۔"

"نن نہیں — خدایا — میں نے شاید خواب دیکھا تھا۔" وہ بڑبڑایا۔

"کیا مطلب — تم نے کیا دیکھا تھا۔"

"تالا آپ ہی آپ کھلا تھا اور پھر دروازہ بھی کھلا تھا۔"

"کیا!" وہ حیران رہ گئے۔

"لیکن کسی نے اس بینک چور کو تو بھاگتے دیکھا نہیں — پھر آخر وہ غائب کیسے ہو گیا۔"

"وہ ضرور کوئی جادوگر ہے۔"

"وہ ابھی زیادہ دُور نہیں گیا ہو گا — آؤ اس کا پیچھا کریں۔"

وہ گھبراہٹ کے عالم میں ایک جیپ میں سوار ہو گئے — جیپ تھانے سے نکل کر تیزی سے سڑک پر دوڑنے لگی جب کہ ہم ابھی تک تھانے میں ہی قہقہے لگا رہے تھے۔

"جیپ کے اوپر اوپر چلو۔" میں نے جنّ سے کہا۔

"جی اچھا۔"

اب ہم جیپ کے اوپر اُڑ رہے تھے۔ جیپ کا رُخ ہماری کوٹھی کی طرف ہی تھا۔

"یہ تو ہماری کوٹھی کی طرف جا رہے ہیں۔" میں نے کہا۔

"ہاں! تمہارے ابّو کو دوبارہ گرفتار کرنے۔" جنّ ہنسا۔

"اب، ہم کیا کریں گے — یہ لوگ تو آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔" ابّو نے کہا۔

"جیسا آپ کہیں گے ہم کریں گے۔"

"مجھے تو ڈر لگنے لگا ہے — کہیں یہ جنّ کا بچہ ہمیں کسی بڑی مصیبت میں نہ پھنسا دے۔" ابّو نے غصّے سے کہا۔

"فی الحال تو یہ ہمیں مصیبت سے نکال کر لایا ہے۔"

"اور پولیس پھر کوٹھی جا رہی ہے۔"

"لیکن ہم اسے کوٹھی میں ملیں گے ہی نہیں۔"

"آخر کب تک — کیا ہم جن کی ہتھیلی پر ہی سفر کرتے رہیں گے۔"

"نہیں — جب پولیس چلی جائے گی، ہم بھی کوٹھی میں چلے جائیں گے۔"

"اور اگر وہ رات کو سوتے وقت آ گئی — اور سب کو گرفتار کر لیا تو کیا ہو گا — پھر یہ جنّ کہاں سے آئے گا۔"

"یہ ہم گھر چل کر سوچیں گے۔" بھائی جان نے کہا۔

جیپ کوٹھی کے سامنے پہنچ کر رُک گئی — پولیس والے بے دھڑک کوٹھی میں داخل ہو گئے — جنّ ہمیں اس وقت کوٹھی کے اوپر لیے کھڑا تھا۔ ہم نے دیکھا پولیس والے ساری کوٹھی کو چھانتے پھر رہے ہیں۔ آخر وہ مایوس ہو گئے اور چلے گئے۔

اس کے بعد ہم کوٹھی میں داخل ہوئے۔

"اب سب مل کر سوچو کہ کیا کیا جائے — اس بات پر یقین رکھو کہ پولیس پھر یہاں آئے گی۔"

"ہاں — وہ بار بار چکر لگائے گی۔"

"اب صرف ایک ہی صورت ہو سکتی ہے۔" بھائی جان نے کہا۔

"اور وہ کیا؟"

"اس کوٹھی کو اٹھا کر کہیں اور چلے جائیں گے۔"

"پتا نہیں — جن اس کوٹھی کو اُٹھا سکے گا یا نہیں۔" میں نے کہا۔

"کیوں — جب اس نے الہ دین کا محل اٹھا لیا تھا تو کیا یہ اسے نہیں اٹھا سکے گا — یہ کوٹھی اس محل سے تو چھوٹی ہی ہو گی۔" بھائی جان نے کہا۔

"میں پوچھتا ہوں۔" میں نے جواب دیا اور جن کی طرف منہ کر کے بولا۔

"دیکھو بھائی جن — پولیس ہمارا پیچھا چھوڑتی نظر نہیں آتی۔ لہٰذا ہم نے سوچا ہے کہ یہاں سے کہیں اور چلے جائیں۔ کیا تم اس کوٹھی کو اُٹھا سکتے ہو؟"

"طلوع آفتاب کے وقت۔" جن نے جواباً کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ کل صبح جس وقت سورج طلوع ہو رہا ہو گا، میں اسے اٹھا سکتا ہوں —"

"کیوں — اس وقت کیوں نہیں اٹھا سکتے؟"

"طلوعِ آفتاب کے وقت ہمارے جسموں میں سو گنا طاقت ہوتی ہے۔"

"اچھا تو ٹھیک ہے — کل صبح طلوع آفتاب سے پہلے ہم تمہیں بلا لیں گے — اب تم جا سکتے ہو۔"

"جو حکم میرے آقا —"

رات کے وقت ہمیں جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر گہری نیند سے بیدار کیا گیا — ہمیں بیدار کرنے والے پولیس کے جوان تھے — ہم سب کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔

آسمان سے گرا جہاز میں اٹکا

باقی رات ہم نے حوالات میں جاگ کر کاٹی — امی نے تو رو رو کر اپنا بُرا حال کر لیا تھا۔ ابو اور بھائی جان خاموش تھے — باجی کبھی رونے لگتیں، کبھی خاموش ہو جاتیں — میرا بھی دل بیٹھا جا رہا تھا — سب سوچ رہے تھے، اب کیا ہو گا — اب ہم یہاں سے کیسے نکلیں گے۔ صرف ممّا بے فکر دکھائی دے رہا تھا۔

"ہو سکتا ہے صبح وہ خود ہی ہماری کوٹھی کی طرف آ نکلے۔" بھائی جان نے سوچ کر کہا — وہ سے ان کی مراد جن تھی۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے — بھلا وہ خود کیسے آ سکتا ہے"

— ہاں اگر شام کے وقت ہم نے اسے کہہ دیا ہوتا کہ صبح سویرے خود ہی آ جانا تو بات دوسری تھی۔

خدا خدا کر کے صبح ہوئی — تھانے دار غضب ناک چہرہ لیے دروازے پر آیا —

"کیا تم جادوگر ہو؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں تو۔"

"پھر کل حوالات کا دروازہ کیسے کھل گیا تھا؟"

"مجھے نہیں معلوم کیسے کھلا تھا۔" ابو بولے۔

"تم جھوٹ بولتے ہو۔"

"ابو — اب جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ — سچ بتا دیجیے — ہم بہت بڑے ڈاکو ہیں — ڈاکے مار مار کر ہم نے کروڑوں روپے کی دولت اپنی کوٹھی میں جمع کی ہوئی ہے۔" میں نے اچانک کہا۔ تھانے دار چونک اٹھا۔

"کیا بکتے ہو —" ابو نے غصے سے چلّا کر کہا۔

"اب چھپانے سے کیا فائدہ ابو — انہیں سب کچھ بتا دیں اسی میں ہمارا فائدہ ہے۔" میں نے کہا۔

"خبردار — جو تم نے ایک لفظ بھی منہ سے نکالا۔" ابو نے کہا وہ شاید میری چال کو سمجھ گئے تھے۔

"اے! — اس لڑکے کو باہر نکالو۔" تھانے دار نے پہرے دار سے کہا۔

"جی بہتر۔"

"شاہد — انہیں کچھ نہ بتانا — اگر انہوں نے کوٹھی سے وہ دولت برآمد کر لی تو ہم کہیں کے نہیں رہیں گے — پھر ہم ساری عمر جیل میں سڑتے رہیں گے۔"

"وہ تو اب بھی سڑ رہے ہیں۔" میں نے بُرا سا منہ

بنا کر کہا۔

اتنے میں دروازہ کھل چکا تھا۔۔۔سپاہی نے مجھے بازو پکڑ کر باہر کھینچ لیا۔

"اسے میرے کمرے میں لے آؤ۔" تھانے دار نے ایک دوسرے سپاہی سے کہا۔ اس نے مجھے بازو سے پکڑا اور دھکے دیتا ہوا تھانے دار کے کمرے میں لے آیا۔

"ہاں اب بتاؤ۔۔۔وہ۔۔۔دولت کہاں ہے؟"

"کوٹھی میں۔۔۔ایک خفیہ جگہ۔۔۔" میں نے کہا۔

"ہمیں بتاؤ۔۔۔وہ جگہ کہاں ہے؟"

"وہ آپ کو نہیں مل سکتی۔ ہاں البتہ۔۔۔میں ساتھ جا کر اس جگہ کو دکھا سکتا ہوں۔"

"دولت کتنی ہے۔" تھانے دار نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"کروڑوں روپے کے زیورات۔۔۔ہیرے اور سونے کے ڈھیروں زیورات۔"

تھانے دار کی آنکھوں میں بلا کی چمک پیدا ہو گئی۔

"تم بہت اچھے لڑکے ہو۔۔۔آؤ ہمارے ساتھ۔" انہوں نے مجھے ایک جیپ میں بٹھایا اور کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئے۔۔۔میرا دل دھک کر رہا تھا کیونکہ بچ نکلنے کی

صورت پیدا ہو گئی تھی۔ جیپ کوٹھی کے سامنے رکی۔ ہم جیپ سے اترے اور کوٹھی کے اندر داخل ہوئے۔

"ہاں۔۔۔کہاں ہے وہ جگہ؟"

"آئیے میرے ساتھ۔" میں ان کے آگے چلتا ہوا اپنے کمرے میں داخل ہوا اور اپنی الماری کی طرف بڑھا:

"کیا دولت اس الماری میں ہے؟"

"جی نہیں۔۔۔البتہ اس الماری میں ایک ایسا خفیہ بٹن موجود ہے، جسے گھمانے سے سامنے والی دیوار میں ایک دروازہ پیدا ہو گا۔۔۔وہ دروازہ خزانے کا دروازہ ہے۔۔۔اس سے گزر کر ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوں گے۔۔۔بس اسی میں دولت کے انبار لگے ہوئے ہیں۔" میں بولتے بولتے الماری کا دروازہ کھول چکا تھا۔۔۔اور اندر ہی اندر میں نے چراغ کو مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔۔۔دوسرے ہی لمحے میں نے دھڑکتے دل سے چراغ کو پوری قوت سے رگڑا۔ اس وقت تک شاید میں نے اتنے زور سے اسے کبھی نہیں رگڑا تھا۔

فوراً ہی کوٹھی کے صحن میں شعلوں کا فوارہ ابھرا۔۔۔فوارہ صرف زور سے رگڑنے کی صورت میں ہی ابھرتا تھا۔ سب لوگ اس طرف متوجہ ہو گئے۔۔۔پولیس کے سپاہیوں

کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ وہ تھر تھر کانپنے لگے — تھانیدار
کی حالت بھی بری تھی۔ اسی وقت صحن میں دو ستون نمودار ہوئے
اور ان سب کی گھگھی بندھ گئی۔ ساتھ ہی خوف ناک آواز آئی۔

"کیا حکم ہے میرے آقا؟"

"ان سب کو لوہے کی زنجیروں سے جکڑ دو۔" میں نے جلدی
سے کہا۔

دوسرے ہی لمحے لوہے کی زنجیر ان کے گرد لپٹنے لگی۔

"اب جلدی سے میرے ابو امی اور بہن بھائیوں کو چھڑا لاؤ۔"

"کیوں — انہیں کیا ہوا۔"

"رات کو انہیں پھر گرفتار کر لیا گیا تھا۔"

"اوہ — تو وہ حوالات میں ہیں۔"

"ہاں — جلدی کرو۔"

"آپ نے چراغ بہت زور سے رگڑا تھا — میری کمر میں
بہت درد ہے۔" جن نے شکایت کی۔

"تم جاتے ہو یا میں ایک اور رگڑا دوں۔"

جن کوئی بات کہے بغیر غائب ہو گیا۔

"یہ سب کیا ہے۔" تھانے دار نے اس کے غائب ہونے
پر پوچھا۔

"الہ دین کا جن۔"

"کیا!" تھانیدار کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"جی جناب — بینک سے دولت اسی نے اڑائی تھی — یہ
کوٹھی بھی اسی نے تعمیر کی ہے — اور تم جیل میں ٹھونسنا چاہتے ہو
ہمیں۔"

"مجھے معاف کر دو — یہ زنجیر کھول دو — میں تم لوگوں کو
کچھ نہیں کہوں گا۔"

"ہوں — اب دماغ درست ہوا ہے تمہارا — مگر میں اتنا
بے وقوف نہیں — میں جانتا ہوں، آزاد ہوتے ہی تم ہمیں
پھر گرفتار کر لو گے۔"

"ارے نہیں — میں ایسا نہیں کروں گا۔"

"تو کیا تم ہمیں معاف کر دو گے۔"

"اور کیا؟"

"اور بینک کی چوری کے سلسلے میں گرفتار کسے کرو گے —
جن کو!"

"نہیں کسی کو بھی نہیں۔"

"تم جھوٹ کہتے ہو —"

عین اسی وقت جن سب کو لے کر آ گیا۔

"میں سب کو لے کر آ گیا ہوں، میرے آقا۔"

"ٹھیک ہے — پولیس کے ان سپاہیوں کو زنجیر سمیت

کوٹھی کے باہر اٹھا کر رکھ دو۔" میں نے اسے حکم دیا۔

جن نے ایک انگلی میں زنجیر لٹکائی اور ان سب کو کوٹھی کے باہر لٹکا دیا۔

"اب اس کوٹھی کو اٹھا کر یہاں سے لے چلو۔"

"جو حکم میرے آقا۔"

کوٹھی اوپر اُٹھنے لگی ـــ تھانے دار اور اس کے ساتھیوں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس منظر کو دیکھا۔

"یا خدا ـــ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔" تھانے دار کے منہ سے نکلا۔

ہم سب باہر کا منظر دیکھنے کے لیے کوٹھی کی کھڑکیوں پر آ کھڑے ہوئے تھے۔ کوٹھی آہستہ آہستہ بلند ہوتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ مکان چھوٹے چھوٹے کھلونے معلوم ہونے لگے۔

"مسٹر جن ـــ سوری ـــ بھیا جن ـــ کوٹھی کیا تم نے اپنے سر پر اٹھا رکھی ہے۔"

"نہیں ـــ کندھے پر۔"

"تمہارا کندھا دکھ تو نہیں رہا۔"

"نہیں ـــ اس وقت میری طاقت سو گنا ہے۔"

"اوہ ہاں! یاد آیا۔"

"اب کوٹھی کہاں لے جاؤں سرکار۔"

"کسی دور دراز کے شہر میں ـ جہاں یہ تھانے دار نہ پہنچ سکے۔" میں نے کہا۔

"اور میرا خیال ہے کہ وہ کوٹھی کو تلاش کرتا کرتا ہم تک پہنچ جائے گا۔" ابو بولے۔

"پھر کیا کیا جائے۔" بھائی جان نے پوچھا۔

"اس کوٹھی پہ بھیجو لعنت ـــ اور ساتھ ہی اس چراغ پر بھی ـــ کسی دوسرے شہر میں چل کر رہتے ہیں ـــ میں کوئی ملازمت تلاش کروں گا اور تم مکان تلاش کیا کرنا۔" ابو نے حسرت سے کہا۔ "میری ملازمت کتنی اچھی تھی ـــ افسوس ـــ وہ بھی گئی۔"

"اور وہ ایک کمرے کا مکان۔" باجی کے منہ سے نکلا۔

"وہ اس کوٹھی سے تو اچھا تھا۔" ابو نے کہا۔

"اب پچھتائے کیا ہوت ـــ جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔"

"امی ـــ مجھے بھوک لگی ہے ـــ آج صبح سے ہم نے ناشتا بھی تو نہیں کیا۔" منا بول اٹھا۔

"اب ایسی حالت میں جن تو ناشتا لانے سے رہا۔" میں نے کہا۔

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔" امی نے سر ہلایا۔

"تو پھر ـــ میں کیا کروں ـــ مجھے بڑے زوروں کی بھوک

لگی ہے۔"

"ایسا کرو — باورچی خانے میں کچھ بچا کھچا پڑا ہو گا — وہ جا کر کھا لو۔"

"جی اچھا۔" منّا باورچی خانے میں چلا گیا — لیکن جلد ہی لوٹا

"سوکھی روٹی پڑی ہے — اندر — میں اسے گھی میں تل کر کھاؤں گا — لیکن گھی کا یہ ڈبّہ نہیں کھل رہا ہے —"

"لاؤ میں کھول دیتی ہوں۔" امّی نے کہا۔

"امّی — ذرا پرے رکھیے گا — کہیں چراغ میرے ہاتھ سے چھوٹ کر اس میں نہ گر پڑے۔"

"نہیں تم بے فکر رہو —"

"کیا یہ خالص دیسی گھی ہے۔"

"ہاں! کریم الدین زمین اور جائیداد ملنے کی خوشی میں دوسرے دن دے گیا تھا — کہتا تھا — میرے گھر کا گھی ہے۔"

"پھر تو اسے دُور ہی رکھیے۔"

"تم تو یونہی ڈر رہے ہو۔" امّی نے کہا اور ڈبّہ کھولنے کے لیے فرش پر بیٹھ گئیں۔ انہوں نے انگلیوں کا پورا زور لگایا لیکن ڈبّہ نہ کھلا۔

"بھئی یہ تو چھری سے کھلے گا۔" امّی بولیں۔

"چھری باورچی خانے میں ہوتی تو میں خود ہی نہ کھول لیتا۔" منّے نے کہا۔

"کیوں — نہیں ہے کیا۔"

"جی نہیں — پتا نہیں کہاں پڑی ہو گی۔"

"لاؤ یار — میں کھولے دیتا ہوں — تمہیں بھی کیسے وقت بھوک لگی ہے۔" ابو نے کہا اور ڈبہ کھولنے کے لیے آگے بڑھے۔ انہوں نے ڈبّے کو اپنے دونوں پیروں میں جکڑا اور لگے انگلیوں سے زور لگانے۔ عین اسی وقت جنّ کی آواز آئی۔

"ہوشیار! میں کندھا بدل رہا ہوں۔"

"ارے! کیا تمہارا کندھا تھک گیا ہے۔"

"ہاں۔"

اُسی وقت کوٹھی اس طرح ڈگمگائی کہ ہمارے پاؤں اکھڑ گئے — اسی وقت گھی کا ڈبّہ کھل گیا — میں نے سنبھلنے کی لاکھ کوشش کی لیکن نہ سنبھل سکا — اوندھے منہ گرا۔ دایاں ہاتھ جس میں الہ دین کا چراغ موجود تھا، سیدھا دیسی گھی کے ڈبّے میں جا پڑا۔

"ہا ہا ہا ہا!" جنّ کا طویل قہقہہ فضا میں بلند ہوا۔ "میں آزاد ہو گیا ہوں — اب میں تمہارا غلام نہیں رہا۔ تم چراغ کو زور زور سے رگڑتے تھے — ریتی سے رگڑتے تھے — مجھے

سخت تکلیف ہوتی تھی — اب اپنی ان زیادتیوں کا مزا چکھو — یہ لو — میں کوٹھی کو چھوڑے دے رہا ہوں۔"

"نہیں نہیں — جنّ بھیّا — ایسا نہ کرنا — ہم سب مرجائیں گے۔"

"کیوں — ایسا کیوں نہ کروں — اب میں تمہارا غلام نہیں ہوں — میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آزاد ہوگیا ہوں — ہاہاہا —"

"جنّ بھیّا — جنّ بھیّا۔" میں چلّایا۔

"اور تم مجھے مسٹر بھی کہا کرتے تھے —"

"لیکن — وہ تو میں نے تمہارے منع کرنے کے بعد کہنا چھوڑ دیا تھا۔" میں گڑگڑایا۔

"اب تم کچھ بھی کہو — میں آزادی کے مزے ضرور لوٹوں گا — ہاہاہا — ہاہاہا — میں آج سے آزاد ہوں — اب میں کوہ قاف میں جاکر گہری نیند سو سکوں گا — اب کوئی چراغ کو رگڑ کر مجھے نہیں بلا سکے گا۔"

"جنّ میاں — ہماری ہڈیاں سُرمہ ہو جائیں گی۔"

"ہوتی ہیں تو ہو جائیں — میری بلا سے — یہ لو — میں تو چلا کوہ قاف۔"

جنّ کا کوٹھی کے نیچے سے کندھا نکالنا تھا کہ کوٹھی برق رفتاری سے نیچے گرنے لگی۔

"ارے مرگئے۔" ابّو چلائے۔

"یا اللہ خیر۔" امّی کے منہ سے نکلا۔

"میرے مالک — ہمیں بچالے۔" منّے نے رو کر کہا۔

"یا اللہ — ہم تیری ذات کے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کریں گے۔" میں نے کہا۔

"ہم روکھی سوکھی کھاکر گزارا کرلیں گے —" امّی پھر بولیں۔

"ہم ایک کمرے کے مکان کی بجائے آدھے کمرے کے مکان میں رہ لیں گے۔" باجی کہنے لگیں۔

لیکن کسی کی دعا نے کوئی اثر نہ دکھایا — کوٹھی کے گرنے کی رفتار میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔

"ارے — جنّ کے بچّے — خدا تجھے غارت کرے — تو ہمیں زمین پر بھی چھوڑ سکتا تھا — تیرا کیا بگڑ جاتا۔" امی نے عورتوں کے سے جلے کٹے انداز میں کہا۔

عین اسی وقت سامنے سے ایک ہوائی جہاز آتا دکھائی دیا۔

"کہیں کوٹھی جہاز سے ٹکرا جائے۔"

"اس طرح تو ہم بالکل ہی بے موت مرجائیں گے۔" الفاظ میرے منہ میں ہی تھے کہ جہاز اوپر سے گزرا اس میں سے ایک زنجیر لٹک رہی تھی — پھر خدا جانے کیا ہوا اور کیسے ہوا کہ زنجیر کوٹھی میں اُلجھ گئی — اب عجیب منظر دیکھنے میں

آیا—ہوائی جہاز آگے آگے اور کوٹھی اس کے پیچھے پیچھے—

"یا اللہ تیرا شکر ہے—اب ہم بچ جائیں گے۔"

"لیکن نہ جانے یہ جہاز کون سے ملک میں جا رہا ہے۔"

"چاہے کہیں جا رہا ہو—جان تو بچ جائے گی—"

"ہو سکتا ہے اس ملک میں ہمیں جاسوس سمجھ کر گرفتار کر لیا جائے—پھر تو وہی بات ہوگی—آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا—" میں نے خدشہ ظاہر کیا۔

"اس وقت تو ہم جہاز میں اٹکے ہوئے ہیں—" منا بول اٹھا اور پریشانی کے اس عالم میں بھی ہمیں ہنسی آگئی۔

اچانک جہاز کو ایک زبردست جھٹکا لگا—اس جھٹکے سے زنجیر کوٹھی سے نکل گئی—ہمیں بھی ایک شدید دھکا لگا اور کوٹھی ایک بار پھر نیچے تیزی سے گرنے لگی—ہمارے منہ سے پھر ڈری ڈری چیخیں نکلنے لگیں—

"بس اب ہم نہیں بچیں گے۔" ابو نے مایوس ہو کر کہا۔

"سب اپنے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لیں۔" امی نے مشورہ دیا۔

"یا اللہ ہم سب کے گناہ معاف کر دے۔"

"یا اللہ—ہم نے تیرے بجائے ایک جن پہ بھروسہ کیا—ہماری یہ خطا بھی معاف کر دے۔"

"یا اللہ اس جن کا بھی بیڑہ غرق کر دے—جس نے ہمیں اس حال کو پہنچایا ہے۔" منے نے کہا۔

"یہ کیا بکواس ہے—ایسے وقت میں صرف اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔"

"ارے ارے—اب ہم پہاڑوں سے ٹکرانے والے ہیں۔" امی نے اچانک کہا۔

"ہاں—یہ تو کوہ قاف کے پہاڑ لگتے ہیں۔"

"نہیں—یہ ہمالیہ پہاڑ ہے۔" ابو بولے۔

"اللہ کو ہمالیہ پہاڑ بھی ایسے وقت میں دکھانا تھا۔" میں نے مایوسی کی حالت میں کہا۔

عین اسی وقت کوٹھی ایک پہاڑ کی چوٹی سے ٹکرائی—ذرا ٹیڑھی ہوئی اور دوسری سمت میں گرنے لگی—ہم منہ کے بل گرے—پھر اٹھے تو کوٹھی ایک دوسرے پہاڑ کی چوٹی سے ٹکرائی ہم پھر منہ کے بل گرے۔

"یہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمارے گناہوں کی سزا دے رہا ہے۔" ابو نے اعلان کیا۔

"بس اب ہمارا خاتمہ قریب ہے۔" امی نے کہا۔ اسی وقت کوٹھی تیسرے پہاڑ سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئی۔ ہم سب کے منہ سے دلدوز چیخیں نکلنے لگیں—اب ہم فضا سے زمین کی طرف

گزرتے جارہے تھے ——اور... عین اسی وقت ابّو نے میرا کندھا پکڑ کر مجھے جھنجھوڑا ——

"بٹیا شاہد —— بٹیا شاہد —— بھئی حد ہوگئی —— آخر کب تک یونہی سوتے رہوگے —— آج تو تم نے حد کردی —— آٹھ بج رہے ہیں —— میں دفتر جارہا ہوں —— اور تمہیں اپنے بھیّا اور منّے کے ساتھ مکان کی تلاش میں جانا ہے —— چلو شاباش!"